ماہنامہ محدث بنارس

سرپرست
عبداللہ سعود بن عبدالوحید

مدیر
مولانا عبدالوہاب حجازی

معاون مدیر
مولانا محمد ابوالقاسم فاروقی — مولانا عبدالمتین مدنی

عدد مسلسل: ۳۳۸
جلد: ۳۰ ، شمارہ: ۲
ربیع الاول ۱۴۳۳ھ
فروری ۲۰۱۲ء

بدل اشتراک

- ہندوستان: 150 روپے
- بیرون ممالک: 40 ڈالر
- فی شمارہ: 15 روپے

مراسلت کا پتہ

دار التالیف والترجمہ
بی ۱۸/۱ جی، ریوڑی تالاب
وارانسی - ۲۲۱۰۱۰
Darut Taleef Wat Tarjama
B.18/1-G, Reori Talab,
Varanasi - 221010

اس شمارہ میں

۱-درس قرآن	عبداللہ سعود بن عبدالوحید	۲
۲-درس حدیث	مولانا عبدالمتین مدنی	۳
۳-افتتاحیہ	مدیر	۴
۴-مدارس کا طریقۂ تعلیم وتربیت	مولانا محمد اعظمی	۶
۵-مدرسہ دارالحدیث رحمانیہ.....	مولانا اسعد اعظمی	۹
۶-شکریہ!	عبدالسمیع محمد ہارون سلفی	۱۵
۷-انسانی زندگی میں تجارت کی ضرورت	عبدالاحد احسن جمیل	۱۸
۸-نکاح کے احکام ومسائل	ابوطاہر بن عزیز الرحمٰن سلفی	۲۲
۹-جین مت	مولانا محمد مستقیم سلفی	۲۶
۱۰-انکم ٹیکس کا نیا مجوزہ قانون.....	محمد عبدالرحیم قریشی	۲۹
۱۱-مصالحت: معاشرتی ضرورت.....	سعید الرحمٰن عبدالمجید	۳۳
۱۲-امیر الشعراء احمد شوقی	پروفیسر ابوحاتم خان	۳۶
۱۳-استاذ محترم ڈاکٹر جاوید اعظم...	حمید حسن فضل حق مبارکپوری	۴۱
۱۴-اخبار جامعہ	ادارہ	۴۴
۱۳-عالم اسلام	ظل الرحمٰن سلفی	۴۵
۱۴-آبرود جمہوریت	فائق بندوی	۴۶
۱۵-باب الفتاوی	مولانا نور الہدی سلفی	۴۷

نوٹ: ادارہ کا مضمون نگار کی رائے سے متفق ہونا ضروری نہیں ہے۔

درس قرآن

ان دوفرقوں میں سے امن کا کون زیادہ مستحق ہے اگر تم جانتے ہو؟ (سورہ انعام:۸۱)

(۳) عبداللہ سعود بن عبدالوحید

حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اللہ تعالی نے راہ ہدایت دکھائی اور انہوں نے آسمانوں اور زمین پر غور کیا، سوج، چاند اور ستاروں کی حقیقت کو سمجھا اور اپنے آباء واجداد اور قوم کے طریقوں کا مطالعہ کیا، ان کے معبودوں کی حقیقت کو جانا، اور اپنی قوم سے ہٹ کر اللہ وحدہ لاشریک کی وحدانیت کا اعلان کر دیا۔ یہ کوئی معمولی بات نہ تھی، پوری قوم بشمولیت ان کے والد پرانے بت پرستی کے عقیدہ پر ڈٹی رہی، وہ اپنے آباء واجداد کے دین کو چھوڑنے پر راضی نہ ہوئی، ان لوگوں نے کہا کہ ہم ان معبودوں کو کیوں چھوڑ دیں جن کو ہمارے باپ دادا پوجتے آئے ہیں، ہم تو وہی کام کریں گے جو ہمارے یہاں ہوتا آیا ہے، حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان بتوں کی بے بسی دکھانے کے لیے اور ان کو یہ بتانے کے لیے کہ یہ سب پتھر کے بے جان بت ہیں، کسی کا کچھ نہیں کر سکتے، جب اپنا وجود نہ بچا سکے تو کیسے کسی کی مدد کر سکتے ہیں؟ ان کو توڑ دیا، اور ان کے بڑے بت کو چھوڑ دیا کہ اس سے پوچھو! کس نے توڑا ہے؟ آپ علیہ السلام نے ان کو غور وفکر کی دعوت دی، سوچنے پر مجبور کیا، مگر وہ باپ دادا کی تقلید پر ڈٹے رہے، اگر وہ سوچتے اور عقل سے کام لیتے تو شاید حضرت ابراہیم علیہ السلام سے دشمنی نہ کرتے، ان کو اپنے عقیدہ اور اپنے دین کے لیے خطرہ محسوس ہوا کہ اگر ابراہیم اسی طرح سے سمجھاتے رہے تو ہوسکتا ہے کہ لوگ اپنے پرانے دین کو چھوڑنے لگیں، تو ان بت پرستوں نے سوچا کہ ابراہیم کا خاتمہ کر دو تا کہ یہ خطرہ ختم ہو جائے، مگر اللہ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں بچا لیا اور اس دہکتی آگ کو آپ کے لیے ٹھنڈی کر دیا، یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے حق پر ہونے اور اللہ کے وجود وقدرت کی نشانی ہے۔

حق وباطل کی جنگ میں ہمیشہ یہ ہوتا رہا ہے، جب بھی غور وفکر اور عقل سے کام لینے کی بات کی گئی تو حق کو دبانے کے لیے دشمنی سے کام لیا گیا، اندھی تقلید غور وفکر کے دروازے بند کر دیتی ہے، انسان کو حق کی تلاش کرنے اور اس کے ماننے سے روکتی ہے، اللہ کے آخری رسول محمد ﷺ کے ساتھ بھی یہی ہوا، آپ نے اپنے چچا ابوطالب کے لیے بہت کوشش کی مگر آخری دم تک وہ یہی کہتے رہے کہ اپنے باپ دادا کے دین پر ہی رہیں گے، اور اسی دین وعقیدہ پر ان کا خاتمہ ہو گیا۔

اللہ تعالی نے اپنی کتاب قرآن مجید میں مختلف انداز میں غور وفکر سے کام لینے کی دعوت دی ہے، اپنی قدرت کی نشانیاں اور پرانے واقعات بیان کر کے طرح طرح سے سمجھایا ہے کہ عقل سے کام لو اور اللہ کے بتائے ہوئے سیدھے راستہ کو اختیار کرو۔

یہی جنت میں جانے والوں کی نشانی بتائی گئی جو آسمانوں وزمین کی خلقت پر غور کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اے

(بقیہ صفحہ ۲۸ پر)

درس حدیث

مومن کی شان: ترک فضولیات

مولانا عبدالمتین مدنی

عَنْ أَبِی هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مِنْ حُسْنِ إِسْلَامِ الْمَرْءِ تَرْکُهُ مَا لَا یَعْنِیهِ. (سنن ترمذی، ح:۲۳۱۷، صحیح سنن الترمذی، ح:۱۸۸۶)

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کسی مسلمان کے حسن اسلام کی علامت یہ ہے کہ وہ لغو اور لایعنی باتوں کو ترک کردے۔

یہ عالم رنگ و بو جس میں ایک مسلمان اپنی زندگی کا سفر طے کرتا ہے وہ اس کی ظاہری چمک دمک اور دلفریبی سے دھوکہ نہیں کھانا اور نہ ہی وہ اس دنیا کی خاطر اپنی آخرت کو داؤں پر لگاتا ہے بلکہ اللہ کی اطاعت و بندگی کو وہ اپنی سعادت اور نصب العین سمجھتا ہے، اللہ کی رضا کے کاموں میں اپنے اوقات کو صرف کرتا ہے، اللہ کی دی گئی تمام نعمتوں کی قدر کرتا اور ان کے بے جا استعمال سے گریز کرتا ہے۔

زبان کی حفاظت کرتا ہے اور فضول ولایعنی باتیں زبان پر نہیں لاتا، مال کی حفاظت کرتا ہے اور اسے اپنے پاس اللہ کی امانت سمجھتا ہے اور اللہ کے حکم کے مطابق ہی اسے خرچ کرتا ہے، طاقت وقوت اور علم وہنر کو بھی اللہ کا دیا ہوا عطیہ سمجھتا ہے اور اس پر تکبر کے اظہار یا اسکے غلط استعمال کو مومنانہ شان کے خلاف سمجھتا ہے۔

اسی طرح اپنے اوقات کی بھی حفاظت کرتا ہے، بے مصرف اور غیر مفید کاموں میں اپنے اوقات کو ہرگز صرف نہیں کرتا، تفریح نفس کے نام پر کوئی ایسا مشغلہ اختیار نہیں کرتا جو دینی اعتبار سے مفید نہ ہو اور جس میں محض وقت کا ضیاع، مال کا ضیاع اور طاقت وقوت کا ضیاع ہو، گرچہ زبان خلق اسے بہت خوبصورت نام سے ذکر کرے اور اسے جدید معاشرت کا حصہ بلکہ تہذیب نو کی علامت قرار دی جائے۔

مذکورہ بالا حدیث میں اسلام کی اسی اصل عظیم کو بیان کیا گیا ہے، اسکو اختیار کرکے ایک شخص کتنی لایعنی باتوں اور لایعنی کاموں سے اپنے آپ کو محفوظ رکھ کر کمال اسلام کے مقام ومرتبہ کو حاصل کرسکتا ہے۔

علامہ ابن رجب حنبلی رحمہ اللہ اس حدیث کی شرح کرتے ہوئے رقمطراز ہیں: ایک شخص کے اسلام کی خوبی اور کمال یہ ہے کہ جو قول وعمل اسکا مطلوب ومقصود نہ ہو اسے ترک کردے اور مطلوب ومقصود سے مراد محض خواہشات نفس کی تکمیل نہیں بلکہ شرع واسلام کے اعتبار سے اس کا مطلوب ومقصود نہ ہو، اسی لئے اس کے ترک کرنے کو حسن اسلام قرار دیا گیا، اب اسلام کا تقاضا یہ ہے کہ واجبات کو ادا کیا جائے اور محرمات سے بچا جائے اور حسن اسلام کا تقاضا یہ ہے کہ وہ ان تمام چیزیں جو ایک مسلمان کے لیے غیر ضروری اور غیر اہم ہیں ان سب سے بچے، محرمات، مشتبہات، مکروہات کے ساتھ ساتھ ایسے مباح کام جو بے سود بے مقصد ہیں جب وہ ان تمام امور سے بچے گا تب اسکا اسلام مکمل ہوگا اور وہ احسان کے درجہ تک پہنچے گا (جامع العلوم والحکم ص:۱۳۶)

علامہ ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں: یعنی جو کام اسکے لیے ضروری نہیں اور جو قول وفعل اور فکر ونظر (دید وشنید) کے اعتبار سے اسکے شایان شان نہیں اسے ترک کردیتا ہے (مرقاۃ ۹/۱۵۱)

حدیث شریف اور اس کی تشریحات کی روشنی میں ہمیں اپنے عمل کا احتساب کرنا چاہیے، سال نو اور بعض دوسرے مواقع پر منعقد ہونے والے تفریحی پروگرام، کھیل اور اسکی خبریں، ٹی وی پر نشر کئے جانے والے (سماجی) سیریل، ادب اور ثقافت کے نام پر شائع ہونے والی غیر معیاری وغیر مفید میگزین اور اس جیسی چیزوں سے ایک مسلمان کو کتنی دلچسپی ہونی چاہیے اور اس کے لیے ہم اپنا کتنا وقت صرف کریں اور کیونکر صرف کریں مذکورہ بالا تحریر کی روشنی میں ہم خود فیصلہ کرلیں۔

سورہ فرقان میں اللہ رب العزت نے فرمایا: ﴿واذا مروا باللغو مروا کراما﴾ (۷۲) اور جب کس لغو چیز پر اہل ایمان کا گذر ہوتا ہے تو شرافت کے ساتھ گذر جاتے ہیں۔

یعنی جس میں شرعا کوئی فائدہ نہیں ایسی باتوں اور کاموں میں وہ شرکت نہیں کرتے بلکہ اپنا دامن بچاتے ہوئے وقار کے ساتھ گذر جاتے ہیں، کاش کہ یہ مومنانہ صفت ہمارے اندر پیدا ہوجاتی اور ہم فضولیات سے پرہیز کرتے۔

☆☆☆

سرزمین شام:
مری رات منتظر ہے کسی اور صبح نو کی

ارض مبارک ومقدس شام اپنی تاریخ کے نہایت نازک دور سے گذر رہا ہے یہ خطۂ ارضی عالمی سازشوں کی آماجگاہ بنا ہوا ہے، اور اس پر طرہ یہ کہ برادرانہ اختلافات قتل وخوں ریزی اور جنگ کی شکل اختیار کر چکے ہیں اور یہ سیلاب اب تھمتا نظر نہیں آرہا ہے صلح کی کوششیں تھک ہار کر بیٹھ جانے کے قریب ہیں، آگے دیکھئے پردۂ غیب سے کیا ظہور پذیر ہوتا ہے، ویسے قرآن جو اللہ کی آخری کتاب ہے اور حدیثیں جو آخری نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے وحی پر مبنی فرمودات ہیں ہمیں اس بابرکت سرزمین کا مقام ومرتبہ یاد دلاتی ہیں، اس لئے مسلمانوں کو اور دنیا کے تمام انسانوں کو اس سرزمین کے تقدس کا صحیح صحیح لحاظ وپاس کرنا چاہیے تاکہ یہ مقدس خطۂ ارضی اپنا فطری کردار ادا کر سکے۔

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے: ونجيناه ولوطا إلى الأرض التي باركنا فيها للعالمين. (الانبیاء/۲۱) اور ہم نے ابراہیم اور لوط کو اس سرزمین کی طرف نجات دی جس میں تمام دنیا والوں کے لئے ہم نے خیر وبرکت دی ہے۔

بلاد شام ماضی میں فلسطین جس کا ایک حصہ تھا یہاں بکثرت انبیاء ورسل مبعوث کیے گئے، یہی دو جلیل القدر انبیاء ابراہیم ولوط علیہما السلام کی ہجرت گاہ ومسکن بنا، اسی سرزمین مبارک پر بیت اللہ الحرام کے بعد دنیا کی سب سے قدیم مبارک مسجد ایک اللہ کی عبادت کے لیے تقوی کی اساس پر قائم کی گئی۔

اور دلائل سے ثابت ہے کہ خانۂ کعبہ اور مسجد نبوی مدینہ کے بعد اللہ کا یہ تیسرا مقدس گھر ہے جو اتنا عظیم ہے کہ اس میں عبادت کے لیے سفر کرنا جائز ہے اور اس کی ایک نماز کئی سو نمازوں کے برابر ہے، یہ سرزمین، حضرت موسیٰ، حضرت یوشع، حضرت داؤد، حضرت سلیمان، حضرت زکریا، حضرت یحییٰ اور حضرت عیسیٰ وغیرہ انبیاء ورسل علیہم السلام کا گہوارہ رہ چکی ہے۔ بیت المقدس جن کا قبلہ اور مرکز دعوت توحید تھا۔

ہمارے نبی خاتم الانبیاء محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی معراج کا معجزہ بیت المقدس سے متعلق ہے آسمان کی آیات اللہ کے دیدار کے بعد بیت المقدس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام انبیاء کی امامت فرمائی اور تمام عالم کے لیے آپ کی

دعوت توحید عام قرار پائی، صحیح حدیث میں مذکور ہے کہ: شام پر رحمٰن کے فرشتوں نے اپنے بازو پھیلا رکھے ہیں (الصحیحۃ للالبانی، ح:۵۰۳)

مرفوع حسن حدیث ہے: روئے زمین کے بہتر لوگ وہ ہوں گے جو حضرت ابراہیم کی جائے ہجرت کو مستقل جائے سکونت بنالیں گے (فضائل الشام للالبانی، ص:۸۲)

مستدرک حاکم میں صحیح حدیث ہے، آپ فرماتے ہیں: ایک زمانہ آئے گا جب ہر صاحب ایمان شام سے جڑ جائے گا، صحیح حدیثوں سے ثابت ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نزول بھی اسی ارض مبارک پر ہوگا (مسلم) صحیح بخاری میں ہے: حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دعا کی: اے اللہ پتھر پھینکنے کی دوری کے برابر پاک سرزمین کے قریب موت دینا سیدنا جناب محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قسم اللہ کی اگر میں وہاں ہوتا تو تم لوگوں کو راستہ کے ایک طرف سرخ ٹیلہ کے پاس ان کی قبر کو دکھلا دیتا''۔

امام نووی نے لکھا ہے کہ مقدس سرزمین بیت المقدس سے قربت کی دعا حضرت موسیٰ نے اس لیے کی کہ اس بابرکت اور مقدس سرزمین کا درجہ نہایت بلند ہے اور وہاں بہت سے اصحاب فضل انبیاء مدفون ہیں، صحیح حدیث میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: شام قیامت میں حشر ونشر کی سرزمین ہے۔ (صحیح الجامع الصغیر، ح:۳۷۲۶) یہ سرزمین ہر دور میں بے شمار شہیدوں اور عظیم علماء وائمہ دین کا مولد ومسکن اور مدفن رہی ہے۔

وحی الٰہی پر مبنی قرآن وحدیث صحیح سے یہ ثابت ہے کہ ارض شام بشمول ارض فلسطین اللہ کی جانب سے ایک خاص امتیازی مقام کی حامل ہے اس لیے ہر فرد کو اس کا لحاظ کرتے ہوئے اسے عام ممالک اور زمینی ٹکڑوں کا درجہ دے کر اس کی عظمت وتقدس کو پامال کرنے سے پرہیز کرنا چاہیے، اس سرزمین کا فطری، تاریخی اور دینی حق ہے کہ اسے مرکز توحید بنا کر رکھا جائے، صدائے توحید کے سوا کسی نبی اور رسول نے یہاں سے کوئی دوسری آواز نہیں اٹھنے دی ہے، بت پرستوں نے اگر کبھی اسے اپنے اقتدار میں لیا بھی تو اس زمین کی فطرت اور اس کی حقیقی دینی عظمت کا ادراک رکھنے والوں نے اس گندگی سے اسے پاک کرنے کی ضرور سعی لازوال کی ہے۔

☆☆☆

مدارس کا طریقۂ تعلیم وتربیت

مولانا محمد اعظمی/مئوناتھ بھنجن

الحمد للہ آج ہمارے اسلامی مدارس وجامعات میں وسائل کی کثرت، انتظامات کی وسعت اور جدید ضروریات کی کفالت کے جو گوناگوں مظاہر دیکھے جارہے ہیں ماضی میں ان کا کوئی تصور نہیں تھا۔ اسی طرح تعلیمی نصاب ونظام کو جدید سے جدید تر بنانے کی کوششیں ہورہی ہیں وہ بھی دینی وعلمی بیداری کی عمدہ علامت ہیں، لیکن ان مادی ترقیوں وسہولتوں اور اصلاحی کوششوں کے باوجود جب مقصدی نتائج وفوائد کی طرف نظر جاتی ہے تو حیرت وحسرت کی کوئی انتہا نہیں رہتی کہ یہ مدارس جو ماضی میں پھونس کی جھونپڑیوں یا مسجد کے حجروں میں خاک نشینوں کو دینی علوم وفنون کا امام، امت مسلمہ کا قائد، انسانیت کا معلم اور مرجع خلائق بنایا کرتے تھے ان میں رجال سازی کی یہ شاندار روایات وخدمات آج تمدنی ترقیوں کی گردراہ میں کیوں گم ہوگئیں؟ ترقیات کے مقابل رجال سازی کا تناسب روز بروز زوال پذیر اور قحط الرجال کی شکایت روز افزوں کیوں ہوتی جارہی ہے؟ مدارس کی جدید کاری کے لیے شوروغوغا تو بہت ہورہا ہے، لیکن مدارس کے اصل راس المال کے فقدان کی فکر کسی کو نہیں ستارہی ہے۔

انہیں حالات کے پیش نظر ہم نے ''مدارس کا طریقۂ تعلیم وتربیت'' کے موضوع کو اپنے اس مضمون کے لیے منتخب کیا ہے، اس تنبیہ کے ساتھ کہ قیام مدارس کا مقصد اساسی دینی تعلیم وتربیت ہی ہے جو امت مسلمہ کی مشترکہ امانت ہے، اس میں استخفاف ومداہنت کا عمل یا استبدال وامتزاج کی کوئی کوشش مدارس کے ساتھ خیانت کرنے کے مترادف ہے، اس لیے آج ملت اسلامیہ کے لیے مدارس کی مقصدیت کا اضمحلال اور قحط الرجال کا بڑھتا ہوا گراف سب سے اہم اور فوری توجہ طلب مسئلہ ہے۔

ہم اپنے دیرینہ تجربات کی روشنی میں غور وفکر کرنے کے بعد اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ مذکورہ مسئلہ کا بنیادی سبب موجودہ طریقۂ تعلیم وتربیت کی کمزوری اور ماضی کے طریقۂ تعلیم وتربیت سے دوری ہے، اس کی مختصر تفصیل یہ ہے کہ تقریباً نصف صدی پہلے تک تمام مدارس میں جو نصاب تعلیم رائج تھا وہ درس نظامی کے نام سے موسوم تھا اور زیادہ تر عقلی وتقلیدی علوم وفنون پر مشتمل تھا، اس میں خالص اسلامی علوم کا حصہ اتنا ہی تھا جتنا آج کل مدارس میں دیگر علوم کا حصہ ہے، بایں ہمہ اس کے مفید نتائج موجودہ دور کے جدید تعلیمی نصاب ونظام کے مقابل میں کہیں زیادہ رہتے رہے، مثلاً درس نظامی کے فضلاء میں مفسر، محدث، فقیہ، مفتی، ادیب، مؤلف، مترجم، صحافی وداعی اور ماہرین تدریس کی جو تعداد منظر عام پر آتی رہی، اس کے دینی وعلمی نقوش زندہ وپائندہ ہیں، اور آج کا ترقی یافتہ علمی طبقہ ان کی افادیت سے مستغنی نہیں ہے، ماضی میں کامیابی کا یہ تناسب بول رہا ہے کہ رجال سازی، ترقی پذیری اور قحط الرجال کے علاج کے لیے صرف عمدہ وجامع جدید نصاب ونظام تعلیم کافی نہیں ہے، بلکہ قدیم طرز کے مؤثر وجاندار طریقۂ تعلیم وتربیت اور معلم کی صالحیت وبلوغیت کو بنیادی حیثیت دینے کی ضرورت ہے۔

قدیم طریقۂ تعلیم یہ تھا کہ پہلے مرحلہ میں علوم آلیہ (اصول ونصوص) کی ایک ایک کتاب مکمل طور پر اس طرح پڑھائی اور یاد کرائی جاتی تھی کہ ذہن میں ہمیشہ نقش رہا کرتی اور کتاب کا ہر مسئلہ وقاعدہ زبان زد رہتا، پھر اگلے مرحلے کی کتابوں میں پہلے مرحلے میں پڑھے ہوئے اصول وقواعد کا اجراء کراتے ہوئے تعلیم دی جاتی اور ان کے حوالے سے عبارت خوانی اور عبارت فہمی کی طرف رہنمائی کی جاتی، اس طرح ثانویہ تک طلبہ میں اتنی صلاحیت واہلیت حاصل ہوجاتی کہ معلم کو عبارت کا ترجمہ ومعنی بیان کرنے میں زیادہ کاوش نہیں کرنی پڑتی تھی۔

اس کے بعد والے مراحل میں تعلیم وتدریس کا مرکزی رخ کتابوں کے مضامین، مباحث کی تحقیق وتوضیح اور حل مشکلات کی طرف ہوا کرتا تھا، اس سے ہر طالب کو اپنے ذوق علم وفن کے مطابق درجہ تخصص تک پہنچنا آسان ہوجاتا اور فراغت کے بعد کوئی علمی منصب سنبھالنے میں زیادہ دشواری نہیں ہوتی تھی۔

درس نظامی کے فضلاء ایم اے اور پی ایچ ڈی ڈگریوں کے حامل نہ ہوتے ہوئے بھی اپنے علم وفن پر اس قدر بصیرت وقدرت رکھتے تھے کہ عربی، فارسی اور اردو زبانوں میں ضخیم مجلدات کی تالیف اور رسائل وجرائد کے اعداد وترتیب کے میدانوں میں ان کا اشہب قلم بے تکلف رواں دواں ہوتا تھا، یہ ثمرہ تھا مذکورہ طریقۂ تعلیم کا جس میں محنت ومسئولیت اور دماغ سوزی وجانفشانی جیسے کٹھن مراحل سے گزرنا ناگزیر ہے۔

رہا طریقۂ تربیت تو ماضی میں صالح اساتذہ اور مخلص وباعمل شیوخ کے کردار واخلاق کو تربیت صالحہ کے اسباب وعوامل میں اولیت حاصل تھی، حال کے مدارس کی معینہ حدود وقیود اور ان کے مقررکردہ اصول وقواعد کی پابندی جیسا کوئی تربیتی نظام پہلے رائج نہیں تھا، بلکہ دینی مواد ومضامین کی تعلیم کے ساتھ ہی ان کی عملی تطبیق کا اہتمام بھی کیا جاتا اور متعلمین کو اسلامی تعلیمات کا مظہر ومصداق بنایا جاتا تھا، گویا تعلیم ہی تربیت ہوتی تھی۔ اس طریقۂ تعلیم وتربیت کی تاثیری قوت ایک ناقابل انکار حقیقت ہے، کیونکہ درس نظامی کے فضلاء کی اکثریت اسلامی سانچے میں ڈھلی ہوئی ایسی مضبوط فکر وکردار کی حامل ہوتی تھی کہ کسی اجنبی فکر ونظر، جدید تہذیب وتمدن اور غیر اسلامی ماحول وسوسائٹی سے متاثر ہونے کے بجائے خود ان پر اثر انداز ہوا کرتی تھی، ان فضلاء میں بعض خوش بخت تنہا ہی ایک انجمن، ایک مدرسہ، ایک ادارہ، ایک مکتبہ، ایک جمعیۃ ہوتے تھے، ان کی شناخت کسی ادارہ یا جمعیۃ کے تعلق سے نہیں ہوا کرتی تھی، بلکہ ادارے ان کے حوالے سے جانے پہچانے جاتے تھے۔ اس قسم کے رجال محتاج تعارف نہیں ہیں۔

ماضی قریب میں جب سے طریقۂ تعلیم وتربیت نے نئی کروٹ لینی شروع کی تعلیم وتعلم کی ساری قدریں بتدریج الٹنے لگیں، یہاں تک کہ رجال سازی کے مجرب وکامیاب آلوں وپیمانوں کو دقیانوسی اور بنیاد پرستی کا الزام دے کر محنت ومسئولیت کے بار سے آزادی اور سہولت طلبی کی راہ ڈھونڈلی گئی، گویا عہد حاضر نے مدارس کو اس مقام پر کھڑا کردیا ہے کہ ان میں افراد ہیں رجال نہیں، فوج ہے مگر اسلحہ نہیں ہے، اگر اسلحے ہیں تو قوت استعمال نہیں۔

ماضی اور حال کے تعلیمی نصاب ونظام اور طریقۂ تعلیم وتربیت کے تناظر میں اس بات کے اعتراف سے مفر نہیں ہے کہ معیار تعلیم وتربیت کے انحطاط اور قحط الرجال کے اضافے میں قدیم وجدید نصاب اور دینی وعصری علوم کے امتزاج کا کوئی عمل

دخل نہیں، اصل مسئلہ طریقۂ تعلیم وتربیت کی خرابی و بے راہ روی کا ہے، معیار تعلیم وتربیت کی بہتری اور رجال سازی کی تمام کوششوں میں اگر طریقۂ تعلیم کی اصلاح کو اولیت دی جائے تو امید ہے کہ کامیابی وبارآوری کے تناسب میں حوصلہ افزا اضافہ ہوگا، ان شاء اللہ تعالی۔ یہ اصلاحی کوشش کسی جدید سامان یا نئے آلات کی محتاج نہیں ہے، اس کے لیے ماضی کا تجربہ اور آزمودہ طریقہ جاری ونافذ کرنے کی ضرورت ہے جو نظری وشفوی تعلیم وتربیت کے ساتھ عملی وتطبیقی تعلیم وتربیت کا جامع ہے۔

اس سلسلے کی ایک کڑی طریقۂ امتحان بھی ہے، ماضی میں اپنی تعلیم کا امتحان آپ ہی لینے کا رواج نہیں تھا، بلکہ خاص طور پر سالانہ امتحان کے لیے ماہرین علم وفن کو بلایا جاتا تھا، جیسے جامعہ عالیہ عربیہ مئو میں مولانا عبدالرحمٰن محدث مبارکپوری اور مولانا سید سلیمان ندوی وغیرھما، اسی طرح جامعہ فیض عام مئو میں مولانا حفیظ اللہ سابق ناظم ندوۃ العلماء لکھنؤ اور شیخ الادب مولانا عبد المجید حریری بنارسی وغیرھما، رحمہم اللہ، جیسے اساطین علم ممتحن ہوا کرتے تھے، مدرسہ دارالحدیث رحمانیہ دہلی جیسی مرکزی درسگاہ کے ممتحن خاص جامع المعقول والمنقول مولانا عبداللہ روپڑی رحمہ اللہ تھے، آزادی کے بعد کچھ عرصے تک طریقۂ امتحان یہ رہا کہ ایک مدرسہ کے اساتذہ دوسرے مدرسہ کے ممتحن مقرر ہوتے تھے۔

طریقۂ امتحان کا یہ بلند معیار جس طرح طریقۂ تعلیم وتعلم کے معیار کی بلندی کا ضامن ہے اسی طرح بین المدارس افادہ واستفادہ کے خوش گوار روابط کا اہم ذریعہ بھی ہے۔

اس ضمن میں ایک قابل غور وفکر مسئلہ فارغین مدارس کے مستقبل کا ہے، بالخصوص ان حالات میں کہ جدید علوم وفنون نے اقتصادی زندگی کو اپنا غلام بنا دیا ہے، اب اس مسئلے سے مزید چشم پوشی اس حد تک نقصان کا باعث ہوسکتی ہے کہ دینی تعلیم کی اہمیت وضرورت کا احساس ختم ہوجائے۔

اس سلسلے میں ہماری ناقص سوچ یہ ہے کہ مدارس میں عصری تعلیم کے جزوی اضافہ کو اس حد تک مفید بنایا جائے کہ فراغت کے بعد ہونہاروں کی علمی وفنی ترقی اور اعلیٰ تعلیم گاہوں میں پیشہ ورانہ تعلیم وتربیت حاصل کرنے کے لیے معاون ثابت ہو، دوسرے یہ کہ فوری طور پر ایک ایسے ادارے کے قیام کی منصوبہ بندی کی جائے جو جدید علوم وفنون کا مرکز ہو اور اس کے نصاب میں دینی مواد بھی جزوی طور پر شامل ہوں، اس میں مدت تعلیم دو سے تین سال تک ہو۔

اس اہم اور اولین ضرورت کی تکمیل کا انحصار اسی بات پر ہے کہ ماہرین تعلیم، دانشوران ملت، اہل ثروت اور بااثر شخصیات اپنی اجتماعی کوشش بروئے کار لائیں، نیز اصحاب مدارس اور ارباب جمعیات وتنظیمات اپنی جہود متواصلہ کی قربانی پیش کریں۔

خلاصۂ کلام یہ کہ ماضی کے تجربات کی روشنی میں رجال سازی کا راز اسی انقلاب میں مضمر ہے کہ طریقۂ تعلیم وتربیت کو عملی شکل دینے کی کوشش اس طرح کی جائے کہ تعلیم ہی تربیت کو مستلزم اور کتابی علم کی عملی تفسیر کی حامل ہو، پھر امتحانات کو بین المدارس سطح پر لانے اور متبادل ممتحنین کے طریقہ کو اپنایا اور آزمایا جائے، یعنی ماضی بعید کے طریقۂ تعلیم وتربیت اور طریقۂ امتحان کے اعادہ کی مہم چلائی جائے اور ساتھ ہی متخرجین مدارس کے اچھے مستقبل کے لیے عملی قدم اٹھایا جائے۔

☆☆☆

مدرسہ دارالحدیث رحمانیہ دہلی

قواعد وضوابط

(قسط:۱۹) مولانا اسعد اعظمی/ استاذ جامعہ سلفیہ

سطور ذیل میں مدرسہ کا دستور العمل پیش کیا جارہا ہے جو مدرسہ سے شائع ہونے والے ماہنامہ رسالہ ''محدث'' کے ضمیمہ کے طور پر ۱۳۵۵ھ مطابق ۱۹۳۶ء میں شائع ہوا تھا۔ اسی ضمیمہ میں مدرسہ کا نصاب تعلیم بھی مندرج تھا جسے قارئین محدث کے گذشتہ شمارے میں پڑھ چکے ہیں۔ اس ضمیمہ کا سرورق اس طرح ہے:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نصاب تعلیم

و

قواعد

مدرسہ دارالحدیث رحمانیہ دہلی

منظور کردہ

جناب ناظم مدرسہ

میاں صاحب شیخ عطاء الرحمٰن صاحب

صدر بازار دہلی

☆☆☆

اب آگے مدرسہ سے متعلق قواعد وضوابط ملاحظہ فرمائیں:

مدرسہ دارالحدیث رحمانیہ دہلی

یہ مدرسہ ۱۳۳۹ھ مطابق ۱۹۲۱ء میں میرے برادر بزرگ جناب حاجی شیخ عبدالرحمٰن صاحب مرحوم ومغفور اور میری ناچیز کوششوں سے کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم وتبلیغ کی غرض سے قائم کیا گیا اور الحمدللہ برابر اپنے اغراض ومقاصد کو ملحوظ رکھتے ہوئے سرگرمی سے انھیں انجام دیتا رہا ہے۔ دعا ہے کہ پروردگار عالم اس ناچیز خدمت کو قبول فرمائے اور اسے برسرِ ترقی رکھے آمین! اغراض ومقاصد مندرجہ ذیل ہیں:

مقاصد: اس مدرسہ میں علم حدیث کی تعلیم ہوگی حتی کہ طلبہ کو معہ اصول وفروع کل فنون حدیث وقرآن میں اس قدر کافی استعداد پیدا ہوجائے کہ دقّتِ نظر اور مہارت تامہ کے حصول میں کافی مدد مل سکے، اس لیے دیگر فنون بھی تعلیم میں شامل کردیے گئے

تا کہ ان سے مدد مل سکے اور فارغ التحصیل طلبہ کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کا اجرا کر سکیں۔

تعلیم اور درجات

(۱) جملہ علوم وفنون مندرجہ نصاب کی تعلیم نو جماعت پر کی گئی ہے۔ (۲) ایک سال میں ہر جماعت اپنے نصاب کی جو فنون مختلفہ پر مشتمل ہے تکمیل کرے گی۔

امتحانات حسب ذیل ہوں گے:

(۱) اول امتحان سہ ماہی دو دن میں ختم ہو جائے گا، مدرسین دارالحدیث پرچہ ہائے سوالات بنا کر مقررہ دن میں طلبہ کو دیں گے اور وقت مقررہ کے ختم ہونے پر ہر مدرس اپنے متعلقہ پرچہ ہائے جوابات لے کر تین دن کے اندر نمبر دے کر داخل دفتر مدرسہ کریں گے۔ اس کے بعد ہی نتیجہ سنا کر تنبیہ وتشویق سے طلبہ کو تعلیم ومحنت پر آمادہ کر دیا جائے گا۔ (۲) امتحان ششماہی تین دن میں لیا جائے گا اور حسب بالا کارروائی عمل میں آئے گی۔ (۳) امتحان سالانہ میں ہر درجہ کے سوالات دہلی یا بیرونجات سے مشہور علماء کے تیار کردہ آئیں گے اور سوالات مذکور ناظم یا قائم مقام ناظم کے پاس محفوظ رہیں گے، ناظم یا نائب ناظم بروز امتحان دارالحدیث میں خود آ کر پرچہ ہائے سوالات اپنے سامنے طلبہ کو تقسیم کراویں گے، نگرانی کے لیے دیگر اصحاب جو دارالحدیث سے ملازمت کا تعلق نہ رکھتے ہوں گے مقرر کیے جاویں گے اور وقت مقررہ پر طلبہ سے پرچہ ہائے جوابات لے کر ممتحنین کے پاس بھیج دیے جاویں گے۔ یا ممتحن بذاتِ خود مدرسہ میں آ کر پرچوں کا معائنہ کرے اور نتیجہ سے مطلع کرے، عموماً ایسا ہی ہوتا رہا ہے کہ ممتحن صاحب مع اپنے عملہ کے تشریف لاتے ہیں، خود پرچے تقسیم کرتے ہیں، اپنی نگرانی میں لکھواتے ہیں اور نمبر دیتے ہیں، پھر عام جلسے میں نتیجہ امتحان سنا دیتے ہیں۔

انعامات مدرسہ

طلبہ کی حوصلہ افزائی اور ترغیب تشویق کے لیے مدرسہ کی طرف سے مختلف قسم کے گراں قدر انعامات مقرر ہیں جن کی تفصیل مندرجہ ذیل ہے:

(۱) سالانہ امتحان کے موقعہ پر جماعت میں اوّل آنے والے کو پانچ سے دس روپئے تک حسب درجات انعام دیے جاتے ہیں (۲) قرآن وحدیث میں اول آنے والے کو دس سے پندرہ اور بیس روپئے تک انعام میں دیے جاتے ہیں تا کہ طلبہ قرآن وحدیث میں سعی بلیغ سے کام لیں (۳) عمدہ اردو یا عربی تقریر کرنے والے کو پانچ سے دس روپئے تک دیے جاتے ہیں (۴) جو سال بھر تک جماعت نماز میں باقاعدہ شرکت کرتا رہے اس کو پانچ سے دس روپئے تک دیے جاتے ہیں (۵) وہ طالب علم جو خوشخطی اور مضمون نویسی میں مہارت رکھتا ہو اس کو پانچ سے دس روپئے تک دیے جاتے ہیں (۶) وہ طالب علم جو تمام مدرسہ میں زیادہ نمبر حاصل کرتا ہے اس کو تیس سے چالیس روپے تک مع دیگر تحفہ کے انعام میں دیے جاتے ہیں (۷) انتہائی جماعت میں کامیاب ہونے والے طلبہ کو مدرسہ کی سند اور چوغہ اور عمامہ دیا جاتا ہے اور اعلیٰ نمبر حاصل کرنے

والے کو بیس سے تیس روپئے تک انعام میں دیے جاتے ہیں، نقد انعامات اس لیے رکھے گئے ہیں کہ طلبہ کو مالی سہولت وآسانی ہو (۸) حسب ضرورت ناظم ان انعامات کی مقدار میں کمی بیشی بھی کرسکتا ہے۔

انعامات حفظ حدیث

جو طالب علم پوری بلوغ المرام یاد کرکے زبانی سنادے اس کو سوروپئے انعام میں دیے جائیں گے اور جو طالب علم پوری مشکوٰۃ حفظ کرکے سنادے اس کو مبلغ پانچ سوروپئے انعام میں دیے جائیں گے، اس سے پہلے مدرسہ کی جمع کردہ چالیس حدیثوں کا مجموعہ سنانے والوں کو خواہ وہ مدرسے کے ہوں یا بیرون مدرسہ کے انعامات دیے گئے ہیں۔ اسی طرح امسال بھی مدرسے کی طرف سے ایک سو احادیث کا مجموعہ طبع کرایا گیا ہے اسے یاد کرکے حفظاً مع ترجمہ سالانہ جلسے کے موقعہ پر سنانے والوں کو نقد انعام دیا جائے گا، انشاء اللہ۔

مدرسین اور ان کے فرائض

(۱) دارالحدیث کا مدرس وہ عالم ہوگا جو اعتقاد اور عمل میں اہلحدیث ہو یا کم ازکم اس کو بنظر استحسان دیکھتا ہو۔ (۲) ہر ایک مدرس کا فرض ہوگا کہ وہ اپنی زیر تدریس کتابیں پوری تیاری اور مطالعہ کے ساتھ پڑھائے اور طلبہ کے مطالعہ کا اندازہ کرتے ہوئے اس کو مطالعہ اور محنت پر مجبور کرے۔ (۳) مدرسین کا فرض ہوگا کہ وہ تعلیم کے ساتھ تربیت طلبہ کو مدنظر رکھیں، نیز تمام فرائض وسنن نبوی پر طلبہ کو عمل کرانے کی کوشش کریں۔ (۴) ہر ایک مدرس کا فرض ہوگا کہ وہ رجسٹر حاضری پر جو مدرسہ میں موجود ہوگا اپنے نام کے مقابل اپنی حاضری مع وقت کے درج کرے۔ (۵) ہر ایک مدرس کا فرض ہوگا کہ وہ درس کے وقت اپنی جائے معینہ پر موجود رہے۔ (۶) کسی مدرس کا کوئی گھنٹہ اپنے درس کے اوقات معینہ سے خالی ہو تو اس کو اپنی درسگاہ سے اس گھنٹہ میں غیر حاضر ہونا جائز نہیں، اگر ناظم کوئی کام درس یا تحریر کا سپرد کریں تو اس کو انجام دینا ہوگا۔ (۷) تمام مدرسین پر لازم ہوگا کہ علاوہ تعلیم کے دیگر نگرانی جو دارالحدیث یا طلبہ کے متعلق منجانب ناظم ان کو تفویض ہو اس کی تعمیل کریں۔ (۸) ناظم مدرسہ طالب علم کو امتحان داخلہ کے لیے جس مدرس کے سپرد کردے اس کا فرض ہوگا کہ طالب العلم کی لیاقت کا اندازہ کرکے جماعت کی تعین کی رپورٹ ناظم کو کرے۔ (۹) ہر مدرس کا فرض ہوگا کہ جدید طلبہ کے داخلہ کے ایک ماہ بعد اس کی لیاقت کا اندازہ کرتے ہوئے ناظم کو رپورٹ کرے کہ وہ جس جماعت میں داخل ہے اس کی صلاحیت رکھتا ہے یا نہیں۔ (۱۰) بوقت ضرورت ہر ایک مدرس کو رخصت کی تحریری اجازت ناظم سے لینی ہوگی۔ (۱۱) روزانہ جو رجسٹر حاضری ودیگر کارہائے متعلقہ دارالحدیث مہیّا کیے جائیں گے ان کی خانہ پری ہر ایک مدرس پر جس کے وہ سپرد کیے گئے ہوں کرنا لازمی ہوگا۔

داخلہ وفرائض طلبہ

(۱) جو طالب العلم مدرسہ میں داخل ہونا چاہے اس پر لازم ہوگا کہ مدرسہ کا فارم داخلہ (جو چھپا ہے اور دفتر مدرسہ سے درخواست پر بلا قیمت مل سکتا ہے) حاصل کرکے قانون ۲ کے مطابق خانہ پری کرکے فارم کو ناظم مدرسہ کے پاس برائے

منظوری پیش کرے۔ (۲) منظوری حاصل کرنے کے بعد اس کی سند ساتھ لائے ،ناظم سند دیکھ کر بعد امتحان داخلہ جس جماعت کے لائق ہوگا اس میں داخل کرے گا۔ (۳) فارم داخلہ میں حسب ذیل ضروری باتیں ہوں گی، پورا پتہ، نام مع ولدیت، صحیح عمر، مذہب، پیشہ، پورا پتہ، موجودہ سرپرست کا نام مع پتہ، مستطیع یا غیر مستطیع، سابقہ تعلیم کی تعیین، کسی معتبر آدمی کی تصدیق، جماعت کی تعیین۔ (۴) ہر طالب العلم کا فرض ہوگا کہ بہ موافق میثاق درخواست فارم داخلہ مدرسہ کے نصاب ہشت سالہ کو پورا کرے۔ (۵) پانچویں جماعت سے نیچے کے طالب علم کے لیے مدرسہ کے علاوہ کسی دوسرے امتحان کی تیاری ممنوع ہوگی، اوپر کی جماعت کے طالب العلم کے لیے لازم ہوگا کہ دوسرے امتحان کی تیاری کی اجازت ناظم مدرسہ سے حاصل کرے، ناظم اس کی لیاقت کو دیکھتے ہوئے اس کو اجازت دے دے گا۔ (۶) جماعت پنجم سے لے کر ہشتم تک کے طلبہ کو اوقات مدرسہ میں عام گفتگو عربی میں کرنا لازمی ہوگا، ہاں حل شبہات کے لیے استاد سے اردو میں گفتگو کرسکتا ہے۔ (۷) مدرسہ کی جانب سے ایک انجمن ہوگی جس میں ہر طالب العلم کا شریک ہونا لازمی ہوگا۔ (۸) عصر کے بعد سے مغرب تک طلبہ کو چاہیے کہ اپنی صحت کا لحاظ رکھتے ہوئے کھیل میں شریک ہوں اور جو طالب العلم کھیل میں شریک ہونا نہ چاہتے ہوں وہ کسی قسم کی ورزش کریں، مدرسے نے ایک لائق استاد کو مقرر کیا ہے جو اس وقت مدرسے کے وسیع اور بڑے کمرے میں بنوٹ کی صحیح تعلیم دیتے ہیں اور اس کی پوری مشق اور ورزش کراتے ہیں۔ (۹) ہر طالب العلم کا فرض ہے کہ اپنی زیر درس تمام کتابوں کا لازمی طور پر مطالعہ کرے، اس کی خلاف ورزی کی صورت میں کافی تنبیہ ہوگی۔ (۱۰) ہر طالب العلم کا فرض ہوگا کہ اپنے تمام اسباق ونماز پنج گانہ میں باجماعت ہمیشہ حاضر رہے، غیر حاضری کی صورت میں مناسب تنبیہ کا ناظم کو اختیار ہوگا۔ (۱۱) اگر کوئی طالب علم قواعد مدرسہ میں سے کسی قاعدہ کی خلاف ورزی کرے گا تو پہلی اور دوسری مرتبہ سخت تنبیہ ہوگی، اس کے بعد خلاف ورزی کرنے والے کو ناظم جو سزا تجویز کرے اس کی تعمیل ضروری ہوگی، سزا کی نوعیت اخراج بھی ہوسکتی ہے۔ (۱۲) طلبہ کو اپنی صحت کا خیال کرتے ہوئے قیام گاہ ودیگر اشیاء مثلاً بستر ولباس کی پوری صفائی رکھنی لازمی ہوگی (۱۳) ہر ایک طالب العلم جو مدرسہ میں داخل ہو اس کو لازم ہوگا کہ جملہ قواعد مدرسہ کی پابندی کرے۔ (۱۴) جملہ احکامات مدرسین ومہتمم کی تعمیل اس پر لازم ہوگی۔ (۱۵) ہر ایک طالب العلم پر لازم ہوگا کہ درس کے وقت درسگاہ میں حاضر رہے۔ (۱۶) جملہ طلبہ پر لازم ہوگا کہ وہ احترام وآداب اساتذہ کو ہر وقت ملحوظ رکھیں۔ (۱۷) مطالب کتاب زیر درس میں شکوک حل کرنے کا اساتذہ سے طلبہ کو حق ہوگا، لیکن گفتگو میں احترام وآداب کا لحاظ رکھنا ہوگا۔ (۱۸) طلبائے مدرسہ کو حقہ یا سگریٹ پینا یا کسی دوسری مکروہ چیز کا استعمال کرنا سخت جرم ہے، اگر منع کرنے پر بھی باز نہ آئے تو پوری تنبیہ کے مستحق ہوں گے اور ممکن ہے کہ مدرسہ سے خارج کردیے جائیں۔ (۱۹) اگر کوئی طالب العلم شرع کے خلاف اپنی وضع رکھے تو اساتذہ پر لازم ہے کہ اس کو تنبیہ کریں، بصورت عدم تعمیل ناظم صاحب کو رپورٹ کردیں تاکہ وہ مناسب کارروائی کریں۔ (۲۰) کسی طالب العلم مقیم مدرسہ کو احاطہ مدرسہ سے بلا اجازت ناظم باہر جانے کا اختیار نہ ہوگا، اس سے عصر کے بعد سے مغرب تک کا وقت مستثنیٰ ہے، لیکن اس کو بھی ناظم صاحب کسی خاص

طالب العلم یا جملہ طلبہ کے لیے مصلحت وقت کا لحاظ کر کے منسوخ کرا سکتے ہیں۔(۲۱) کسی طالب العلم کو بلا اجازت ناظم دارالاقامۃ میں کسی غیر شخص کو ٹھہرانے کا حق نہ ہوگا۔(۲۲) قیام طلبہ کے لیے جو جگہ تجویز کی جائے گی اس کو اسی جگہ قیام کرنا ہوگا، اس غرض کے لیے مدرسہ میں بکثرت آرام دہ کمرے موجود ہیں۔(۲۳) ہر ایک رخصت حاصل کرنے کے لیے تحریری درخواست ناظم کو دینی ہوگی اور بعد منظوری اس پر عمل درآمد ہو سکے گا۔(۲۴) جو طالب العلم بلا عذر معقول شریک امتحان سالانہ نہ ہوگا اس کا نام مدرسہ سے خارج کر دیا جائے گا۔(۲۵) مدرسہ کے کسی طالب العلم کو جب تک وہ اس مدرسہ میں داخل ہے کوئی کتاب دوسری جگہ پڑھنے کی اجازت نہیں ہے، اس لیے کہ مدرسہ میں کل کتابوں کی پڑھائی کا بہترین انتظام موجود ہے، نیز مدرسہ میں کسی سے ایسی کتابیں پڑھنے کی ممانعت ہے جو اس کی جماعت میں نہیں ہیں، ہاں وہ کتابیں پڑھ سکتا ہے جو نصاب مدرسہ میں نہیں ہیں لیکن اس کی کتاب کی معاون ہیں۔

قواعد عمومی

(۱) جملہ مدرسین و ملازمین کو ناظم کے احکام کی تعمیل واجب ہوگی۔(۲) تمام متعلقین مدرسہ کو لازم ہوگا کہ ہر ایک اپنے متعلقہ قواعد مدرسہ کی پابندی کرے۔(۳) چونکہ مدرسہ کو سیاسیات سے کوئی تعلق نہیں ہے اس لیے وہ شخص جو مدرسہ سے تعلق رکھتا ہے عام ازیں کہ طالب العلم ہو یا ملازم سیاسیات میں اس کو عملی حصہ لینے کی اجازت نہ ہوگی۔(۴) مدرسہ کا ایک ڈاکٹر ہوگا جو مدرسہ کے تمام متعلقین کی بیماریوں کا علاج کرے گا اور اس علاج کے جملہ اخراجات کا ذمہ دار مدرسہ ہوگا، بشرطیکہ مریض مدرسہ کے ڈاکٹر کے زیر علاج رہے، عموماً یہ ڈاکٹر صاحب روزانہ مدرسے میں آیا کرتے ہیں۔(۵) طلبہ کے قیام وطعام کا انتظام بذمہ ناظم ہوگا یا جس کو وہ اپنی طرف سے تجویز کرے لیکن بذات خود ناظم ہفتہ وار مطبخ کا معائنہ کرے گا۔(۶) مدرسہ اس بات کی کوشش کرے گا کہ طلبہ کی معلومات میں اضافہ کرنے کے لیے کبھی کبھی مختلف موضوع پر مفید لکچروں کا انتظام کرے۔(۷) مدرسہ کی طرف سے طلبہ کی علمی وادبی حیثیت بڑھانے کی غرض سے عربی واردو رسائل واخبارات کا انتظام رہے گا۔(۸) متعلقین مدرسہ کو دارالحدیث کی لائبریری سے کتب غیر درسی لائبریری کے قواعد کے مطابق لینے کا حق ہوگا۔(۹) مدرسہ کی جانب سے ایک انجمن ہوگی جس میں طلبہ کو اعلیٰ پیمانے پر تقریر وتحریر ومناظرہ کی مشق کرائی جاوے گی، عام اجلاسوں کے علاوہ اس انجمن کا ہر تین ماہ پر ایک خصوصی اجلاس ہوا کرے گا جس میں مدرسہ کے علاوہ مقامی علما وسربرآوردہ اصحاب بھی شریک ہوں گے، عام اجلاسوں کا صدر ایک مدرس ہوا کرے گا اور خصوصی اجلاسوں کا صدر مقامی اہل علم میں سے کسی معزز شخص کو مقرر کیا جائے گا، ان خصوصی اجلاسوں میں مختلف مضامین تقریری وتحریری عربی واردو نظم ونثر وغیرہ ہوں گے جن کا انتخاب مدرسہ کرے گا، صدر کے فیصلہ سے جو طالب علم تقریر وتحریر میں اول رہے گا اس کو مناسب انعام دیا جائے گا، خصوصی اجلاس میں پہلی جماعت سے پانچویں تک کے طلبہ کی اردو میں تقریریں اور تحریریں ہوں گی اور چھٹی جماعت سے لے کر آٹھویں تک کے طلبہ کی تحریریں اور تقریریں عربی میں ہوں گی، عمومی اجلاس میں چوتھی کے اوپر کے طلبہ بھی عربی تقریر وتحریر کی

مشق کریں گے۔(۱۰)دس منٹ پہلے تیاری کی گھنٹی ہوگی اور اس کے بعد دوسری گھنٹی ہوگی جس کے ساتھ طلبہ واساتذہ کی حاضری لازم ہوگی، دوسری گھنٹی کے ساتھ جو شخص حاضر نہ ہوگا خواہ وہ استاد ہو یا طالب علم وہ غیر حاضر شمار کیا جائے گا، کسی عذر معقول کی درخواست گھنٹی سے پہلے ہونی چاہیے۔(۱۱)مدرسہ کا جوڈاکٹر ہوگا اس کا فرض ہوگا کہ ہفتہ وار دارالاقامۃ کا معائنہ کرے اور صحت کے متعلق ضروری ہدایات اپنی رپورٹ میں ناظم کے پاس پیش کرے۔(۱۳) کمروں اور بستروں کی صفائی مدرسین کے زیر نگرانی ہوگی یا جس کو ناظم سپرد کرے۔(۱۴)ناظم مدرسہ کو اختیار کلی ہوگا کہ وہ حسب ضرورت جس قانون کی تبدیلی چاہے کرے اور اس پر مدرسین وطلبہ کو کاربند کردے۔

فرائض ناظم

(۱)ناظم کا فرض ہوگا کہ تمام متعلقین مدرسہ کو قواعد مدرسہ کے احترام پر قائم رکھے، نیز تمام انتظامات کے متعلق بوقت ضرورت ہدایات جاری کردے اور اپنی طرف سے ایسے شخص کو مقرر کرے جو صفائی مدرسہ کی پوری نگرانی کرے۔(۲)ناظم مدرسہ کبھی کبھی بذات خود مطبخ، درس گاہوں اور دارالاقامۃ کا معائنہ کرے گا اور جملہ انتظامات کی جو ملازمین مدرسہ کے سپرد کیے گئے ہیں دیکھ بھال کرے گا۔(۳)امور انتظامیہ میں جو شکایت پیدا ہوگی اس کا ازالہ ناظم کا فرض ہوگا، آج کل دن کا اکثر وبیشتر حصہ ناظم صاحب مدرسے میں ہی گذارتے ہیں تاکہ مدرسہ کی جزئی اور کلی امور کی پوری اصلاح بروقت ہوتی رہے۔

تعطیلات مدرسہ

علاوہ یوم جمعہ حسب ذیل ہوں گی، امتحان سہ ماہی کی ایک یوم، امتحان ششماہی کی دو یوم، امتحان سالانہ کی ڈیڑھ ماہ، عیدالاضحیٰ کی پانچ یوم، رخصت علالت ایک ماہ نصف تنخواہ پر۔

نوٹ: تعطیل کلاں کی تنخواہ کا مستحق وہی مدرس ہوگا جس نے پورے ایک سال دارالحدیث میں ملازمت کی ہے۔

(۲)تعطیلات مقررہ کے علاوہ کسی ملازم مدرسہ کو کوئی رخصت نہیں ملے گی، اگر رخصت لے تو ایام رخصت کی تنخواہ وضع ہوگی۔

(۳)میعاد رخصت ختم ہونے کے بعد بلاحصول رخصت ثانیہ دیگر ایام غیر حاضری میں شمار ہوں گے جن کی دوچند تنخواہ وضع ہوگی۔(۴)ایام رخصت کے درمیان اگر کوئی یوم یا ایام تعطیل آجائیں گے تو اختتام رخصت تک کل ایام رخصت میں شمار ہوں گے۔(۵)اگر ایام رخصت کے بعد کوئی تعطیل واقع ہو تو مزید رخصت بعد اختتام ایام تعطیل کے لیے حاضری لازم ہے، صرف تحریر کافی نہ ہوگی۔

اطلاع: مدرسہ کے متعلق جملہ خط وکتابت کا پتہ یہ ہے:

ناظم صاحب مدرسہ دارالحدیث رحمانیہ صدر بازار دہلی

تمام شد۔ الراقم منشی مدرسہ ھٰذا

☆☆☆

شکریہ!

عبدالسمیع محمد ہارون انصاری سلفی

اسلام ایک فطری مذہب ہے اسکی تعلیمات میں انسانی فطرت کا جابہ جا لحاظ نظر آتا ہے۔مثال کے طور پر دیکھئے ایک شخص زید ہے وہ عمر پر کوئی بھلائی کرتا ہے عمر زید کی ہمدردی و بھلائی پر شکریہ ادا کرتا ہے، زید پر اس کا جو اثر ہوتا ہے اس کا دل جس طرح خوش ہوتا ہے اور عمر کے اظہار شکریہ پر آگے بھی اس کے لئے جس طرح خیر و بھلائی کرنے کا جو جذبہ ہوتا ہے وہ اس شخص کے دل میں نہیں ہوتا جس نے کسی کے لئے اس کے فائدے اور بھلے کا کام کیا اور اس کے زبان سے شکریہ کا ایک لفظ بھی نہیں نکلا ایسے ناشکروں کے تئیں احسان و بھلائی کرنے والے کا دل ناخوش ہوتا ہے، نفرت و غصّہ پیدا ہونا فطری بھی ہے اور صحیح بھی....

اللہ جو ہر لمحہ ہر آن اپنے بندے پر رحم و کرم کرتا ہے ان پر اللہ کی اتنی نعمتیں ہیں جن کا شمار بھی ناممکن ہے، ظاہر ہے ایسے رحیم و کریم اور منعم و محسن کے لئے بندے پر لازم اور اخلاقی و انسانی فریضہ ہے کہ وہ اس کا شکریہ ادا کرے اور جو رب کا شکریہ ادا کرتا ہے لاریب اس پر اللہ مزید رحم و کرم کرتا ہے اور اس سے خوش ہوتا ہے، یہاں قرآن کے حوالے ہم اس کا جائزہ لیتے ہیں۔

اللہ نے قرآن کریم میں شکر کی اہمیت بتلاتے ہوئے فرمایا: ''اگر تم شکریہ ادا کروگے تو ہم تم کو مزید عطا کریں اور اگر تم کفر (ناشکری) کروگے تو میرا عذاب البتہ بہت سخت ہے'' (۱۴/۷) معلوم ہوا کہ شکر سے رب کی نعمتوں میں مزید اضافہ ہوتا ہے اور ناشکری کے سبب رب کی ناراضگی ہی نہیں بلکہ اس کی نعمتوں سے محرومی بھی ہوتی ہے، جیسا کہ اسی آیت میں بیان ہوا۔

مزید برآں کئی ایک آیات میں ناشکری کے بھیانک انجام کی جانب اشارہ ہے۔مثلاً سورہ سبا میں ہے: ''سبا کے لئے ان کے مسکن ہی میں ایک نشانی موجود تھی، دو باغ دائیں اور بائیں، کھاؤ اپنے رب کا دیا ہوا رزق اور شکر بجالاؤ اس کا، ملک ہے عمدہ اور پاکیزہ اور رب ہے بخشش فرمانے والا، مگر ان لوگوں نے اعراض کیا (ناشکری کی) آخر کار ہم نے ان پر بند توڑ کر سیلاب بھیجا اور ان کے پچھلے دو باغوں کی جگہ دو اور باغ انہیں دیئے جن میں کڑوے پھل تھے اور جھاؤ کے درخت تھے اور کچھ تھوڑی سی بیریاں، یہ تھا ان کے کفر (ناشکری) کا بدلہ جو ہم نے ان کو دیا اور ناشکرے انسان کے سوا ایسا بدلہ دوسرے کسی اور کو نہیں دیتے (۳۴/۱۵-۱۷) اسی طرح ایک اور جگہ اللہ نے فرمایا: ''کہ اس قوم نے اللہ کی نعمتوں کی ناشکری کی تو اللہ نے اس کو لباس جوع کا مزہ چکھایا: ''فكفرت بأنعم الله فأذاقها الله لباس الجوع.....'' بلکہ اگر بحیثیت مجموعی ہم ان اقوام و ملل اور افراد کا جائزہ لیتے ہیں جو اللہ کے ازحد غیض و غضب کے شکار ہوئے، بدترین ہلاکتوں سے دوچار ہوئے، جن کی تفصیل قرآن میں جابہ جا موجود ہے، تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ ان کی عبرتناک بربادی کی بنیادی وجہ یہی ناشکری تھی کیونکہ اللہ نے ان کو جو

نعمتیں دی انہوں نے اس کا شکر نہیں ادا کیا۔یہیں پر یہ وضاحت قدرے ضروری ہے کہ شکر کا مطلب صرف زبان سے ہی اظہار شکر نہیں ہے بلکہ اس کا مطلب زبان سے اقرار، دل سے اس کا اعتراف اور عمل سے اس کا اظہار ہونا ضروری ہے۔ صاحب تفہیم لکھتے ہیں کہ ایک محسن کے مقابلہ میں صحیح احسان مندانہ رویہ یہی ہوسکتا ہے کہ آدمی دل سے اس کے احسان کا اعتراف کرے، زبان سے اس کا اقرار کرے اور عمل سے احسان مندی کا ثبوت دے انہیں تین چیزوں کے مجموعے کا نام شکر ہے۔اور اس کا اقتضاء یہ ہے کہ (۱) آدمی احسان کو اسی کی جانب منسوب کرے جس نے دراصل احسان کیا ہے کسی دوسرے کو اس میں شریک نہ بنائے۔(۲) آدمی کا دل اپنے محسن کے لئے محبت و وفاداری کے جذبے سے لبریز ہو۔(۳) وہ اپنے محسن کا مطیع و فرماں بردار ہو اور اسکی دی ہوئی نعمتوں کو اسکے منشاء کے خلاف نہ استعمال کرے''

شکریہ! مگر کیسے:۔قرآنی آیات کے تتبع سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ کی نعمتوں کا شکر کیسے ادا ہو۔

(۱) توحید پر کاربند رہنا، ہر طرح کے حالات میں خواہ وہ دکھ ہو یا سکھ ہو رب سے ہی بندہ فریاد کرے اور اسی کے حضور خوشی میں شکر بجالائے۔اسکے مقابلے اگر کوئی دکھ میں غیروں کے سامنے فریاد کرتا یا پھر سکھ میں دوسروں کے لئے نذر و نیاز کر کے شکر کا اظہار کرتا ہے تو یہ اللہ کی سب سے بڑی ناشکری ہے، اللہ نے فرمایا: ''ان لوگوں نے اس کے بندوں میں سے بعض کو اس کا جزء بناڈالا، بے شک انسان کھلا احسان فراموش ہے'' (۱۵/۴۳)

(۲) اللہ کی نعمتوں پر صرف اور صرف اسی رب کا شکر گذار ہونا چاہیے دوسروں کا نہیں۔یہ بھی شکر کے اظہار کا صحیح طریقہ ہے اللہ نے فرمایا: ''تم کو جو بھی نعمت حاصل ہے اللہ کی طرف سے ہے پھر جب کوئی سخت وقت تم پر آتا ہے تو تم لوگ خود اپنی فریادیں بھی لیکر اسی کے طرف دوڑتے ہو مگر جب اللہ اس وقت کو ٹال دیتا ہے تو یکا یک تم میں سے ایک گروہ اپنے رب کے ساتھ دوسروں کو شریک کرنے لگتا ہے۔(سکھ کی مہربانی آنے پر وہ غیر اللہ کی شکریہ ادا کرتا ہے) (۵۲/۱۶-۵۴)

(۳) رب کا صحیح معنوں میں شکریہ یہ بھی ہے کہ ان کی عطا کردہ نعمتوں سے صحیح کام لیا جائے۔اللہ نے فرمایا: ''اللہ نے تم کو تمہاری ماؤں کے شکم سے نکالا اس حالت میں کہ تم کچھ نہیں جانتے تھے اس نے تمہیں کان دیئے، آنکھیں دیں اور سوچنے والے دل دیئے اس لئے کہ تم شکر گذار بنو'' (۷۸/۱۶) آیت سے معلوم ہو کہ اللہ نے یہ جو نعمتیں دی ہیں اس کا تقاضا یہ تھا کہ بندہ آنکھ سے دیکھے تو اس چیز کو جس کے دیکھنے کا اللہ نے حکم دیا، اسکی آیات میں غور فکر کرے، کان اور دل دیئے تو اس سے اللہ کی ہی باتیں سنیں، منہیات و محرمات نہ سنے، دل سے اللہ ہی کا شکر ہو اس کی تعریف اور اس کے لئے دل میں محبت و اطاعت کے جذبات لبریز ہوں۔

(۴) اللہ کی نعمتوں کا صحیح اور سچا شکریہ یہ بھی ہے کہ صرف اسی کی بات مانی جائے (۲۸/۱۴-۳۰)۔

(۵) شکریہ کا صحیح حق یہ بھی ہے کہ اسکی آیات سے سبق لیا جائے (۵۷/۷-۵۸)

(۶) اللہ اور اس کے رسول کی پکار پر لبیک کہے (۲۶/۸)۔

(۶) اللہ تبارک وتعالیٰ جو بھی دے اور جس حال میں رکھے اس پر بندہ مطمئن رہے (۱۴۴/۷)

شکریہ کی مذکورہ بالا صورتیں اور اس جیسی کئی صورتیں ہیں جن کے ذریعہ سے بندہ اپنے رب کی بے شمار اور عظیم نعمتوں کا شکر ادا کرسکتا ہے، ہر چند کو وہ ان نعمتوں کا مکمل شکر کبھی ادا ہی نہیں کرسکتا مگر اللہ کے فرمان کے مطابق وہ اپنے بندے کو اسکی طاقت سے زیادہ مکلّف نہیں بناتا، اگر وہ ہر ممکن ان صورتوں اور طریقوں سے اللہ کی نعمتوں کا شکر ادا کرتا رہے تو رب کی جانب سے ان پر مزید انعامات واکرامات کی بارش ہوگی۔ اس دنیا میں رب کی مزید عنایتوں کی شکل میں جبکہ آخرت میں بلا شبہ اس بہتر شکل میں ملے گی مگر اس کے باوجود انسان فطری طور پر ناشکرا ہے۔ قرآن میں اس حقیقت کو متعدد جگہ اللہ نے بیان کردیا ہے، انسانوں کی اکثریت بھی اللہ کی ناشکری ہے، دنیا میں اکثریت توحید سے دور ہے، خود مسلمان قوم بھی جو توحید کا دم بھرتی ہے ان میں بھی اکثریت توحید کے سلسلے میں متزلزل ہے، غیر اللہ سے قربت، مزاروں پر حاضری اور اولیاء اللہ کو مشکل کشا سمجھنا وغیرہ یہ توحید کیوں کر اور کیسے ہوسکتی ہے۔ معلوم ہوا کہ بلا شبہ آج بلکہ ہر دور میں، قرآن کے مطابق انسانوں کی اکثریت توحید سے دور رہی ہے اور ظاہر ہے اللہ کی نعمتوں کی یہ سب سے بڑی ناشکری ہے۔

بہ ایں ہمہ انسان اپنے رب کی بے شمار نعمتوں کا احسان مند ہونے اور شکر گذار ہونے کے بجائے اسکی اکثریت ناشکر گذار ہے، اللہ نے کئی ایک جگہ فرمایا کہ لوگو تم بہت کم شکریہ ادا کرتے ہو، ایک جگہ صاف فرمایا: ''میرے بندوں میں بہت کم شکر گذار ہیں'' اس صورت حال کا اول وآخر اور دین ودنیا ہر اعتبار سے انسانوں کو خسارے اور نقصان ہی کی شکل میں انگیز کرنا ہوتا ہے۔ ناشکری کے سبب ایک طرف اللہ کے واضح فرمان کے مطابق حاصل شدہ نعمت میں برکت وخیر باقی نہیں رہتا، مزید برآں کبھی کبھی اللہ اس نعمت وراحت کے بدلے آفت وعسرت کی حالت اور سراپا عبرت سے بھی دوچار کردیتا ہے۔ قرآن میں اس کی متعدد مثالیں تاریخ سے دی گئی ہیں۔ اس کے علاوہ ناشکری کے سبب آدمی فخر وکبر سے دوچار ہوتا ہے وہ یہ سمجھتا ہے کہ اس کے پاس جو بھی دولت وراحت اور نعمت ہے وہ سب اسکی اپنی کمائی ہے، اس میں کسی دوسرے کا عمل دخل نہیں ہے۔ قارون کا واقعہ قرآن میں بیان ہے وہ اپنی بے پناہ دولت پر اللہ کا شکر گذار ہونے کے بجائے یہ بزعم خویش تصور کرتا تھا اور دعویٰ بھی کہ یہ سب اسے اپنی محنت وقابلیت کے دم پر حاصل ہے۔ نتیجۃً اللہ نے اسے اسکی تمام دولت ونعمت کے ساتھ زندہ زمین میں دھنسا دیا اور وہ قیامت تک دھنستا رہے گا یہ ناشکروں کے لئے عبرت کا مقام ہے۔

شکر سے لبریز، شکر سے معمور زندگی سرتا پا خیر وسکون ہے اس میں بندے کی ہر طرح سے بھلائی ہے۔ اللہ نے فرمایا: "ومن شكر فإنما يشكر لنفسه ومن كفر فإن ربي غني كريم" (۴۰/۲۷) اور جو شکر ادا کرتا ہے اپنے (فائدے کے) لئے کرتا ہے اور جو ناشکری کرتا ہے بے شک میرا رب غنی کریم ہے۔

☆☆☆

انسانی زندگی میں تجارت کی ضرورت

عبدالاحد احسن جمیل/ مدینہ منورہ

اللہ رب العالمین نے پوری انسانیت کو ایک دوسرے سے ایسے جوڑ دیا ہے کہ ایک انسان دوسرے کی مدد اور اس کی معاونت کے بغیر اطمینان بخش زندگی گزار ہی نہیں سکتا، اور ہر انسان کو کچھ ایسی ضرورتیں لاحق ہوتی ہیں جس کو پورا کرنے کے لئے وہ دوسرے انسان کی مدد کا محتاج ہو ہی جاتا ہے، اور اللہ رب العالمین نے انسانی حاجت کو ایک دوسرے سے ایسے جوڑا ہے کہ ہر انسان کو کچھ ایسی چیزوں کی ضرورت پڑتی ہے جو اس کے اپنے پاس میسر نہیں ہوتی ہے، جس کے لئے اسے اس چیز کو حاصل کرنے کے لئے دوسروں سے معاملہ کرنے کی ضرورت پڑتی ہے، اسی انسانی ضرورت کی تکمیل کے لئے اللہ تعالی نے تجارت کو حلال کیا ہے، چنانچہ فرمان باری تعالی ہے: وأحل الله البيع وحرم الربا ۔ (البقرۃ:۲۷۵)، اللہ تعالی نے بیع وشراء کو حلال اور سود کو حرام کیا ہے، بلکہ نبی کریم ﷺ نے اسے سب سے بہترین کمائی قرار دیا ہے، چنانچہ آپ ﷺ کا ارشاد ہے: أفضل الكسب بيع مبرور وعمل الرجل بيده ۔ (مسند أحمد:۴۶۶/۳، حدیث أبي بردۃ، شیخ ألبانی رحمہ اللہ نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے، دیکھیں: صحیح الترغیب والترھیب:۱۳۱/۲، حدیث:۱۶۸۹، اور شیخ شعیب الأرناؤط نے بھی اس حدیث کو حسن قرار دیا ہے) سب سے افضل کمائی پاک تجارت اور انسان کی اپنے ہاتھ کی کمائی ہے، کیونکہ اگر اللہ تعالی تجارت کو حلال نہ قرار دیتا تو پوری دنیا میں قتل وغارت گری کا بازار گرم ہوتا۔

تجارت کسے کہتے ہیں: تجارت کہتے ہیں دو انسانوں کا آپس میں مال کا تبادلہ کرنے کو، دونوں کی رضامندی کو ملحوظ رکھتے ہوئے، چنانچہ اللہ رب العالمین کا ارشاد ہے: يا أيها الذين آمنوا لا تأكلوا أموالكم بينكم بالباطل الا أن تكون تجارة عن تراض منكم ولا تقتلوا أنفسكم ان الله كان بكم رحيما۔ (النساء:۲۹) یعنی اے مسلمانوں تم آپس میں ایک دوسرے کے مال کو باطل طریقہ سے نہ کھاو، ہاں اگر تم ایک دوسرے کی رضامندی سے تجارت کرلو تو کوئی حرج نہیں اور آپس میں ایک دوسرے کو قتل نہ کرو بیشک اللہ تعالی بہت زیادہ رحم کرنے والا ہے۔

اسی معنی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے نبی کریم ﷺ نے فرمایا: أفضل الكسب بيع مبرور وعمل الرجل بيده ۔ (اس کی تخریج گذر چکی) سب سے افضل کمائی پاک تجارت اور انسان کی اپنے ہاتھ کی کمائی ہے، کیونکہ اگر اللہ تعالی تجارت کو حلال نہ قرار دیتا تو پوری دنیا میں قتل وغارت گری کا بازار گرم ہوتا۔

آج ہم دنیا کے اندر جس قدر فتنے اور فواحش کے بازار گرم دیکھ رہے ہیں اس کی وجہ یہی ہے کہ لوگوں نے رب العالمین کے حلال قرار دیئے راستے کو چھوڑ کر حرام راستوں کو اختیار کرلیا ہے، جس کی وجہ سے ہم سے تجارت کی برکت سلب کرلی گئی۔

ہم نے اپنے ہوس کی تکمیل میں تجارت کی حلت کے مقصد کو ہی پس پشت ڈال دیا۔

اکثر علماء تجارت کی حلت میں مقصد تشریع پر بحث کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ تجارت کی حلت سے انسانی ضرورت کی

تکمیل اور جان و مال کی حفاظت مقصود ہے، چنانچہ اللہ رب العالمین سود کو حرام قرار دیتے ہوئے فرماتا ہے: یا أیها الذین آمنوا اتقوا الله وذروا ما بقي من الربا ان کنتم مؤمنین، فإن لم تفعلوا فأذنوا بحرب من الله ورسوله وان تبتم فلکم رؤس أموالکم لا تظلمون ولا تظلمون۔ (البقرۃ: ۲۷۸۔۲۷۹) اے ایمان والوں اللہ تعالی سے ڈرو اور جو سود باقی رہ گیا ہے وہ چھوڑ دو، اگر تم سچ مچ ایمان والے ہو، اور اگر ایسا نہیں کرتے تو اللہ تعالی سے اور اس کے رسول سے لڑنے کے لئے تیار ہو جاو، ہاں اگر توبہ کرلو تو تمہارا اصل مال تمہارا ہی ہے، نہ تم ظلم کرو نہ تم پر ظلم کیا جائے۔

رب العالمین تجارت کی حلت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرماتا ہے: وأحل اللہ البیع وحرم الربا (البقرۃ: ۲۷۵) یعنی اللہ تعالی نے تجارت کو حلال، اور سود کو حرام قرار دیا ہے۔

اور نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: طلب الحلال واجب علی کل مسلم۔ حلال رزق کمانا ہر مسلمان پر واجب ہے۔ (المعجم الأوسط: ۲۷۲/۸، حدیث: ۸۶۱۰، وقال المنذری: واسنادہ حسن ان شاء اللہ، اور شیخ البانی رحمہ اللہ سے اس حدیث کے سلسلہ میں دو قول وارد ہے پہلے آپ نے اس حدیث پر منکر کا حکم لگایا تھا پھر آپ رحمہ اللہ نے اسے ضعیف کہا ہے، اگر ہم شیخ البانی رحمہ اللہ کے قول کو قبول کرلیں تو اس سے یہ لازم آتا ہے کہ یہ حدیث سنداً ضعیف ٹھہری لیکن یہ حدیث اپنے معنی کے اعتبار سے بالکل حق ہے)

اور اس بات پر علماء کا اتفاق ہے کہ تجارت ایک بہترین عمل ہے قرون اولی سے لیکر آج تک لوگ اس پر عامل ہیں۔

اور اس کا تعلق انسانی زندگی سے کتنا گہرا ہے اس کی وضاحت اس بات سے بھی ہو جاتی ہے کہ انسان چاہے جس قدر مستغنی ہو جائے لیکن اسے ہمیشہ کچھ ایسی حاجات درپیش ہوتی ہیں، جس کا وہ مالک نہیں ہوتا اور اسے اس وقت اس چیز کو حاصل کرنے کے لئے کوئی نہ کوئی راستہ اختیار کرنا ہی پڑتا ہے، اور اس کا سب سے بہترین اور صحیح طریقہ بیع وشراء یعنی تجارت ہے، اگر تجارت مباح نہ ہوتی تو لوٹ کھسوٹ اور چوری وغارت گری کے بازار گرم ہوتے، جیسے آج ہم دنیا میں اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں، اور ان سب کی وجہ یہی ہے کہ ہم نے رب العالمین کے حلال اور مباح کئے ہوئے طریقہ کو چھوڑ کر ان راستوں کو اپنا لیا ہے جسے اللہ تعالی نے اپنے کلام میں اور نبی کریم ﷺ نے اپنی سنت کے ذریعہ حرام قرار دیا ہے، اور یہی وجہ ہے کہ آج ہم اپنی روزی میں تنگی اور بے برکتی کا مشاہدہ کررہے ہیں، نبی کریم ﷺ نے تاجروں کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا: یامعشر التجار فاستجابوا له ورفعوا أعناقهم وأبصارهم، وقال: ان التجار یبعثون یوم القیامة فجارا الا من اتقی وبر وصدق۔ (سنن ترمذی، حدیث: ۱۲۱۰، کتاب البیوع، باب التجار وتسمیة النبی ﷺ ایاہم، امام ترمذی رحمہ اللہ نے اس حدیث کو حسن صحیح قرار دیا ہے اور امام حاکم نے بھی مستدرک میں صحیح قرار دیا ہے اور امام ذہبی نے ان کی موافقت کی ہے، دیکھیں: مستدرک حاکم: ۸/۲، حدیث: ۲۱۴۴، مع تعلیق الامام الذھبی، امام البانی سے اس حدیث کے سلسلہ میں تصحیح اور تضعیف دونوں طرح کے قول وارد ہیں، اور آپ رحمہ اللہ کی تصنیفات کے حساب سے آپ نے اُخیر میں اسے صحیح قرار دیا ہے، کیونکہ آپ نے اس کی تصحیح صحیح الترغیب والترھیب (۱۶۲/۲، حدیث: ۱۷۸۵) میں کی ہے اور اس کے علاوہ آپ نے سلسلۃ الأحادیث الصحیحۃ (۶۸/۳، حدیث: ۹۹۴) میں بھی اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے)۔ اے تاجروں کی جماعت تو سب

نبی کریم ﷺ کی طرف متوجہ ہوگئے، اپنی گردنوں کو اونچی کرلیا اور اپنی آنکھوں کو آپ کی طرف موڑ لیا، آپ ﷺ نے فرمایا کہ بیشک قیامت کے دن تاجروں کو فجاروں کی طرح میں اٹھایا جائے گا مگر جس نے اللہ کا تقوی اختیار کیا اور وعدہ کو پورا کیا اور سچ بولا۔

ایک دوسری حدیث میں نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: البیعان بالخیار ما لم یتفرقا فان صدقا وبینا بورك لهما وان كذبا وكتما محقت بركة بيعهما. (صحیح بخاری، کتاب البیوع، باب مایمحق الکذب والکتمان فی البیع، حدیث: ۲۰۸۲، صحیح مسلم، کتاب البیوع، باب الصدق فی البیع والبیان، حدیث: ۳۹۳۷) یعنی دونوں تاجروں کو مکان تجارت سے الگ ہونے تک اپنے معاملہ میں غور وفکر اور لینے ورد کرنے کا اختیار ہے، اگر دونوں سچ بولتے ہیں اور سارے اوصاف کو بیان کردیتے ہیں تو ان دونوں کی تجارت میں برکت ہوگی، اور اگر جھوٹ بولتے ہیں اور اوصاف کو بیان نہیں کرتے ہیں تو ان سے تجارت کی برکت سلب کرلی جاتی ہے۔

ان دونوں حدیثوں میں وضاحت کے ساتھ اس بات کا ذکر ہے کہ جو شخص بھی جھوٹ اور دغا سے کام لے گا اس کے لئے آخرت میں جو عذاب ہے وہ تو ہے ہی اس کے علاوہ اللہ رب العالمین اس منحوس اور منکر عمل کی منحوسیت اور منکر کے اثر کی وجہ سے اپنی برکت کو دور کردے گا وہ محنت کرے گا پر اس کا اثر اسے نظر نہیں آئے گا وہ کمائے گا پر پریشان حال ہوگا اور بے برکتی کا مشاہدہ کرے گا، اور بعینہ یہی حال اس شخص کا بھی ہے جو صاحب حق کے حق کو ادا کرنے میں ٹال مٹول کرے، اور وہ شخص بھی جو سودی معاملات کو ترک نہ کرے، کیونکہ یہ سارے وہ اعمال ہیں جو تجارت کی برکت سلب کردیتے ہیں۔ چنانچہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: ان التجار هم الفجار ،قيل يا رسول الله أو ليس الله قد أحل الله البيع؟ قال: بلى، ولكن يحدثون فيكذبون، ويحلفون ويأثمون۔ (مسند أحمد: ۴۲۸/۳، امام حاکم رحمہ اللہ نے اس حدیث کی سند کو صحیح قرار دیا ہے اور امام ذہبی نے اس پر ان کی موافقت کی ہے، مستدرک حاکم: ۸/۲، حدیث: ۲۱۴۵، اور شیخ البانی رحمہ اللہ نے بھی اس حدیث کو سلسلۃ الأحادیث الصحیحہ (۳۶۸/۱، حدیث: ۳۶۶) میں ذکر کیا ہے، اور شیخ شعیب الأرناؤط فرماتے ہیں: اس حدیث کی سند قوی ہے، مسند أحمد مع تعلیق الشیخ (۴۲۸/۳)، تاجر لوگ ہی رب العالمین کی نظر میں فاجر اور گناہ گار ہیں، لوگوں نے کہا اے اللہ کے رسول ﷺ کیا اللہ تعالی نے تجارت کو حلال نہیں قرار دیا ہے، تو آپ ﷺ نے فرمایا ضرور حلال قرار دیا ہے، مگر تاجر جب بات کرتے ہیں تو جھوٹ بولتے ہیں، اور جھوٹی قسمیں کھاتے ہیں اور اپنے آپ کو گنہ گار بناتے ہیں۔

تجارت کی اباحت کی حکمت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: أجمع المسلمون على جواز البيع والحكمة تقتضيه لأن حاجة الانسان تتعلق بما فى يد صاحبه غالبا وصاحبه قد لا يبذلها له ففى تشريع البيع وسيلة الى بلوغ الغرض من غير حرج۔ (فتح الباری: ۳۳۶/۴)

خرید وفروخت کے جواز پر مسلمانوں کا اجماع ہے، اور حکمت اس کی متقاضی ہے، اس لئے کہ عموما انسانی ضرورت ان چیزوں سے متعلق ہے جو اس کے ساتھی کے پاس ہے، اور ممکن ہے کہ اس کا ساتھی اسے یہ چیز نہ دینا چاہے، تو بیع کی مشروعیت بلا کسی حرج کے اپنی ضرورت کو پانے کا بہترین ذریعہ ہے۔

اورامام قسطلانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: وحكمته نظام المعاش وبقاء العالم لأن حاجة الانسان تتعلق بما فی يد صاحبه غالبا وقدلا يبذلها له بغير المعاملة فتفضی الی التقاتل والتنازع وفناء العالم واختلال نظام المعاش وغير ذلك، ففی تشريع البيع وسيلة الی بلوغ الغرض من غير حرج، ومن ثم عقب المؤلف كغيره المعاملات بالعبادات لأنها ضرورية، وأخر النكاح لأن شهوته متأخرة عن الأكل والشرب ونحوهما۔ (ارشادالساری شرح صحیح البخاری:۳/۵)

اوربیع کی حکمت معاش کا نظام قائم کرنا اور بقاء عالم ہے،اس لئے کہ انسانی ضرورت عموماان چیزوں سے متعلق ہے جودوسروں کے پاس ہیں اورعین ممکن ہے کہ وہ اسے بغیر معاملہ کے اس کو نہ دینا چاہے تو بات قتال ونزاع اور معاش کے نظام کی خرابی وغیرہ تک پہونچ جائے ،لہذا بیع کی مشروعیت بلا کسی حرج اپنے مقصود تک پہونچنے کا ذریعہ ہے،اسی لئے مولفؒ نے معاملات کوعبادات کے بعد ذکر کیا ہے کیونکہ وہ ضروری ہیں،اورنکاح کواس سے موخر کیا اس لئے کہ اس کی شہوت کھانے پینے وغیرہ سے متاخر ہے۔

اورشیخ سید سابق رحمہ اللہ فرماتے ہیں: شرع الله البيع توسعة منه علی عباده، فان لكل فرد من أفراد النوع الانساني ضرورات من الغذاء والكساء وغيرها مما لا غنی للانسان عنه ما دام حيا وهو لا يستطيع وحده أن يوفرها لنفسه لأنه مضطر الی جلبها من غيره، وليس ثمة طريقة أكمل من المبادلة، فيعطی ما عنده مما يمكنه الاستغناء عنه بدل ما يأخذه من غيره مما هو فی حاجة اليه۔ (فقہ السنۃ:۸۰۹)

اللہ تعالی نے اپنے بندوں پر آسانی اور کشادگی کرنے کی غرض سے تجارت کومشروع قرار دیا ہے،اس لئے کہ ہر شخص کو کھانے اور پہننے وغیرہ کی کچھ ایسی ضرورتیں لاحق ہیں جس سے وہ تاحیات مستغنی نہیں ہوسکتا اور وہ ان ساری ضروریات کی تکمیل پر اکیلا قادر نہیں ہے لہذا وہ انہیں دوسروں سے حاصل کرنے پر مجبور ہے،اور تبادلہ سے بہتر اس کا کوئی طریقہ نہیں،جن چیزوں کی اسے حاجت نہیں ہے اسے دوسرے کو دے کر اس کے بدلہ وہ ان چیزوں کو لے سکتا ہے جن کی اسے حاجت ہے۔

علماء کے یہ چند اقوال جن کی عبارتیں مختلف تو ضرور ہیں لیکن ان سب کا مدلول ایک ہے کہ انسان اپنی حاجت کو پورا کرنے میں لامحالہ دوسرے کا محتاج ہے جہاں اسے اپنے ساتھی یا اس کے علاوہ دوسرے انسان کی مدد کی ضرورت درپیش ہے، اورشارع نے تجارت کی اباحت میں اسی انسانی ضرورت کوملحوظ رکھا ہے۔

اور جب ایک انسان دوسرے انسان سے معاملہ کرتا ہے تو لوگوں کے سامنے یہ بات بھی واضح ہوجاتی ہے کہ وہ انسان کیسا ہے؟ کیا وہ اپنے معاملہ میں پختہ ہے یا نہیں، کیا وہ اپنی بات میں سچا ہے یا نہیں،اور کیا اس سے معاملہ کرکے ہمیں اپنا غرض اوراپنا مقصد حاصل ہوگا یا نہیں۔

انہی مقاصد کی تکمیل اورانسانی جان ومال کی حفاظت کوملحوظ رکھتے ہوئے اللہ رب العالمین نے تجارت،خرید وفروخت کومباح قرار دیا ہے اور نبی کریم ﷺ نے سچے اورایمان دار تاجروں کو بشارت بھی سنائی ہے۔

اللہ تعالی سے دعا ہے کہ وہ ہمیں حلال رزق عطا فرمائے اور ہماری تجارت میں برکت عطا کرے اورہمیں انسانی مقصد کی تکمیل میں ممد ومعاون بنادے،آمین۔

☆☆☆

نکاح کے احکام ومسائل

اعداد: ابوطاہر بن عزیر الرحمٰن سلفی
استاذ جامعہ اسلامیہ سلفیہ، عبداللہ پور، صاحب گنج

نکاح کرنا سنت مؤکدہ ہے جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "النكاح من سنتي فمن لم يعمل بسنتي فليس مني" (ابن ماجہ بسند حسن رقم الحدیث (۱۸۴۶) الصحیحۃ (۲۳۸۳)۔

پیغام نکاح دینا

لڑکے کی جانب سے لڑکی کے گھر والوں کو پیغام دینا چاہئے جیسا کہ سنن نسائی میں بسند صحیح مروی ہے فاطمہ بنت قیس کو معاویہ اور ابوجہم نے پیغام دیا تو انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مشورہ طلب کیا کہ کن سے شادی کریں تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ معاویہ غریب ہے اس کے پاس مال نہیں ہے اور ابوجہم عورت کو بہت مارتا ہے تو تم اسامہ سے شادی کرلو۔

حدیث کے الفاظ یہ ہیں: فاطمہ بنت قیس کہتی ہے: قالت ذكرت له (رسول الله ﷺ) أن معاوية بن أبي سفيان وأباجهم خطباني، فقال رسول الله ﷺ أما أبوجهم فلايضع عصاه عن عاتقه وأما معاوية فصعلوك لا مال له، ولكن أنكحي أسامة بن زيد فكرهته ثم قال أنكحي أسامة بن زيد فنكحته فجعل الله عزوجل فيه خيراً واغتبطت به" (سنن نسائی بسند صحیح رقم الحدیث ۳۲۴۵)

لڑکی کے والد بھی لڑکا کو یا اس کے رشتہ دار کو اپنی لڑکی کے نکاح کا پیغام دے سکتے ہیں۔ جیسا کہ صحیح حدیث میں آیا ہے عن عمر قال تأيمت حفصة بنت عمر من خنيس بن حذافة وكان من أصحاب النبي صلى الله عليه وسلم ممن شهد بدراً فتوفي بالمدينة فلقيت عثمان بن عفان فعرضت عليه حفصة،فقلت إن شئت أنكحتك حفصة،فقال :سأنظرفي ذلك فلبثت ليالى فلقيت،فقال ماأريد أن أتزوج يومي هذا، قال عمر فلقيت أبابكرالصديق رضى الله عنه فقلت إن شئت أنكحتك حفصة فلم يرجع إليّ شيئاً فكنت عليه أوجد مني على عثمان رضى الله عنه فلبثت ليالى فخطبها إليّ رسول الله صلى الله عليه وسلم فأنكحتها إياه فلقيني أبو بكر فقال لعلك وجدت عليّ حين عرضت عليّ حفصة فلم أرجع اليك شيئاًقلت نعم،قال: فانه لم يمنعني حين عرضت عليّ أن أرجع إليك شيئاً إلا أني سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يذكرها ولم أكن لأفشي سر رسول الله ﷺ ولو تركها نكحتها" (سنن النسائی رقم الحدیث (۳۲۴۸) صحیح بخاری رقم الحدیث (۵۱۲۲)

عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حفصہ رضی اللہ عنہا کے شوہر کی وفات پا جانے کی وجہ سے وہ بیوہ ہوگئی تو میں عثمان رضی اللہ عنہ سے ملا اور کہا کہ اگر آپ کی خواہش ہو تو میں حفصہ سے آپ کا نکاح کر دیتا ہوں تو عثمان نے کہا کہ ٹھیک ہے اس سلسلے میں غور وفکر کرلوں اس کے بعد کہونگا کچھ دنوں کے بعد عثمان سے ملاقات ہوئی تو کہا کہ اس وقت میرا شادی کرنے کا خیال نہیں ہے۔ اس کے بعد

عمر رضی اللہ عنہ نے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے ملے اور کہا کہ اگر آپ چاہیں تو میں آپ سے حفصہ کا نکاح کردوں، ابوبکر نے مجھے کچھ جواب نہیں دیا جس کی وجہ سے ان پر دل ہی دل میں غصہ ہوگیا۔ پھر چند روز بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پیغام دیا اور میں نے ان سے نکاح کردیا عمر کہتے ہیں کہ اب پھر ابوبکر سے میری ملاقات ہوئی تو انھوں نے کہا کہ شاید آپ میرے اوپر غصہ ہوگئے تھے تو عمر نے کہا کہ ہاں ضرور غصہ ہوا تھا۔ پھر فرمایا کہ آپ کو کچھ جواب نہ دینے کا مطلب یہ تھا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے حفصہ کا تذکرہ کرتے ہوئے سنا تھا تو میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے راز کو فاش کرنا پسند نہیں کیا جس کی وجہ سے میں نے آپ کو کچھ جواب نہیں دیا تھا اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شادی نہ کرتے تو میں کرلیتا۔

مذکورہ حدیث پر غور کریں اس میں لڑکی کے باپ کی جانب سے پیغام دیا جارہا ہے اس لیے لڑکی کے باپ کی جانب سے بھی لڑکا کو پیغام دیا جاسکتا ہے یہ کوئی عیب کی بات نہیں ہے۔

لڑکے کی جانب سے پیغام دینے کی ایک دلیل یہ حدیث بھی ہے کہ جامع ترمذی میں بسند صحیح مروی ہے کہ مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے ایک عورت کو پیغام دیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ''أنظر إليها فإنه أحرى أن يودم بينكما'' اس عورت کی طرف دیکھ لو کیوں کہ اس سے تمہارے درمیان ہمیشہ محبت قائم رہے گی۔ (جامع ترمذی رقم الحدیث (۱۰۸۷) کتاب النکاح، باب ماجاء فی النظر الی المخطوبۃ)

مخطوبہ کو دیکھنا

عام طور پر بعض علاقے میں مخطوبہ لڑکی کو دیکھنے کے لیے اس لڑکے رشتے دار جاتے ہیں جس سے پیغام نکاح دینا مقصود ہوتا ہے اور وہ لڑکا خود نہیں جاتا اور جسکی شادی ہوگی وہ نہیں جاتے ہیں یہ شریعت کی منشا کے خلاف ہے، کیونکہ قرآن مجید میں اللہ تعالی نے غیر محرم سے پردہ کرنے کا حکم دیا ہے فرمان الٰہی ہے: ''قل للمومنين يغضوا من أبصارهم ويحفظوا فروجهم''۔ (سورہ نور آیت نمبر ۳۰)

اے نبی آپ مومنوں سے کہہ دیجئے کہ وہ اپنی نگاہ پست کرلیں اور اپنی شرم گاہ کی حفاظت کریں اسی طرح مومنہ عورتوں کو حکم دیا جارہا ہے کہ ''قل للمومنات يغضضن من أبصارهن ويحفظن فروجهن'' (سورہ نور آیت نمبر ۳۱) اے نبی آپ مومنہ عورتوں سے کہہ دیجئے کہ وہ اپنی نگاہ کو پست کرلیں۔ مذکورہ دونوں آیت کریمہ سے صراحتاً معلوم ہوگیا کہ اجنبی مرد کا اجنبی عورت کی طرف دیکھنا اور اجنبی عورت کا اجنبی مرد کی طرف دیکھنا حرام ہے پھر صحیح حدیث میں آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''يا علي لا تتبع النظرة النظرة فإن لك الأولى وليست لك الأخرة'' اے علی اگر کسی عورت پر ایک مرتبہ اچانک نظر پڑ جائے تو دوبارہ آنکھ اٹھا کر نہ دیکھ کیونکہ پہلی مرتبہ تمہارے لئے معاف تھا لیکن دوسری مرتبہ معاف نہیں ہوگا (سنن أبی داود بسند حسن رقم الحدیث ۲۱۴۱)

مذکورہ آیات کریمہ اور حدیث پر غور کریں تو معلوم ہوگا کہ جس مخطوبہ عورت کو لوگ دیکھنے جاتے ہیں وہ تو اجنبی ہے اور جب اجنبی ہے تو اس کو دیکھنا کیسے جائز ہوگا؟۔ اور قبل ازیں مذکور ہوا کہ مغیرہ رضی اللہ عنہ نے ایک عورت کو پیغام دیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں حکم دیا کہ اس کو دیکھ لو لہذا معلوم ہوا کہ جو شادی کرے گا صرف وہی شادی کرنے کی نیت سے مخطوبہ عورت کو دیکھ سکتا ہے دوسرا کوئی نہیں دیکھے گا، ہاں عورتیں عورتوں کو دیکھ سکتیں ہیں یا دوسرے لوگ گھر بار وغیرہ دیکھ سکتے ہیں لڑکی نہیں دیکھ سکتے ہیں۔

مخطوبہ کو دیکھتے وقت انگوٹھی اور گھڑی پہنانا

بعض علاقے میں لڑکی دیکھنے کے وقت لڑکی کو تحفے میں انگوٹھی یا گھڑی دیتے ہیں اور دیکھنے والے لوگ جو کہ غیر محرم اور اجنبی ہوتے ہیں وہ لڑکی کا ہاتھ پکڑ کر اسکو انگوٹھی یا گھڑی پہناتے ہیں یہ شرعاً حرام ہے کیونکہ صحیح بخاری میں عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے وہ فرماتی ہیں کہ:''واللہ مامست یدہ ید إمرأة قط فی المبایعة''اللہ کی قسم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہاتھ کبھی بھی بیعت کے وقت کسی عورت کے ہاتھ کو نہیں چھوا۔(صحیح بخاری رقم الحدیث ۴۸۹۱)

لڑکا یا لڑکی کے انتخاب کا معیار کیا ہو

لڑکا یا لڑکی کے انتخاب کے وقت یہ خیال رکھنا ضروری ہے کہ اس کے اندر دینداری پائی جائے۔جیسا کہ لڑکے کے انتخاب کے سلسلے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں،عن أبی هريرة رضی الله عنه قال قال رسول الله صلی الله عليه وسلم :إذاخطب إليكم من ترضون دينه وخلقه فزوجوه الاتفعلوه تكن فتنة فی الأرض وفساد عريض۔(رواہ الترمذی بسند حسن رقم الحدیث ۱۰۸۴)ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ :جب ایسا شخص تمہارے پاس نکاح کا پیغام بھیجے جس کے دین اور اخلاق سے تم مطمئن ہو تو اس سے اپنی بیٹی کا نکاح کردو اگر ایسا نہیں کروگے تو زمین میں فتنہ اور زبردست فساد برپا ہوگا۔

اور لڑکی کے انتخاب کے سلسلے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:عن أبی هريرة رضی الله عنه عن النبی صلی الله عليه وسلم قال:تنكح المرأة لأربع لمالها،ولحسبها،ولجمالها ولدينها فاظفربذات الدين تربت يداك (صحیح بخاری کتاب النکاح باب لاینکح الأب وغیرہ البکر والثیب إلا برضاها،۵۰۹۰)ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:عورت سے چار چیزوں کی خاطر نکاح کیا جاتا ہے۔اس کے مال ودولت کی وجہ سے اور اس کے حسب ونسب کی وجہ سے اور اس کی خوبصورتی کی وجہ سے اور اس کی دینداری کی وجہ سے لیکن تو دیندار عورت سے نکاح کرنے میں کامیابی حاصل کر۔تراہاتھ خاک آلود ہو۔

مہر ادا کرنا

نکاح میں مہر ادا کرنا فرض ہے جیسا کہ اللہ تعالی کا فرمان ہے''واتوا النساء صدقاتهن نحلة''(سورة نساء آیت نمبر ٤) عورتوں کو خوشی خوشی ان کے مہر ادا کردو اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وصحابہ کرام نے بھی مہر دے کر نکاح کیا ہے۔اور مہر کے ذریعہ عورت کی شرم گاہ کو حلال کیا جاتا ہے جیسا کہ رسول اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:''إن أحق الشروط أن توفوا بها ما إستحللتم به الفروج''(صحیح بخاری کتاب الشروط،باب الشروط فی المعاملة حدیث نمبر ۲۷۲۱)نکاح میں جن شرطوں کو پورا کرنا سب سے زیادہ ضروری ہے ان میں وہ چیز ہے جس کے ذریعہ عورت کی شرم گاہ کو حلال کیا جاتا ہے یعنی مہر ادا کرنا فرض ہے کیونکہ مہر کے ذریعہ عورت کی شرم گاہ کو حلال کیا جاتا ہے۔اور سنن ابی داود،سنن الترمذی میں ابوالعجفاء سے بسند صحیح مروی ہے کہ''خطبنا عمر رضی الله عنه فقال الا لاتغالوا بصدق النساء فانها لوكانت مكرّمة فی الدنيا أو تقوىٰ عندالله كان أولاكم بها النّبی صلی الله عليه وسلم ماأصدق رسول الله عليه وسلم امراةً من نسائه ولا أصدقت امرأةٌمن بناته اكثر من ثنتی عشراوقية"

ابوالعجفاء السلمی کہتے ہیں کہ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے ہمیں خطبہ دیا اور کہا خبردار! عورتوں کے سلسلے میں بھاری بھاری مہر مت باندھا کرو، اگر یہ چیز دنیا میں عزت اور اللہ کے ہاں تقویٰ کا ثبوت ہوتی تو اس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سب سے بڑھکر ہوتے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی کسی بیوی اور اپنی صاحبزادیوں میں سے کسی کو بارہ اوقیہ سے زیادہ مہر نہیں دیا۔(۱)

مہر نہ کم دو اور نہ زیادہ بلکہ استطاعت کے مطابق اور طرفین کی رضامندی سے ہونا چاہیے۔اگر کچھ بھی نہ ہو تو قرآن کی آیت کی تعلیم بھی مہر بن سکتی ہے۔جیسا کہ صحیح بخاری میں سہل بن سعد سے مروی ہے وہ کہتے ہیں: ایک عورت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئی اور کہنے لگی کہ اے اللہ کے رسول میں اپنے نفس کو آپ کے لئے ہبہ کرتی ہوں۔یعنی آپ مجھے اپنے نکاح میں لے لیجئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی طرف دیکھا نظر اوپر کیا اور پھر نظر نیچا کرلیا جب اس عورت نے دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے بارے میں کوئی فیصلہ نہیں کیا یعنی اس کو کوئی جواب نہیں دیا تو وہ بیٹھ گئی۔یہ دیکھ کر مجلس میں بیٹھے صحابہ کرام میں سے ایک آدمی نے کہا کہ اے اللہ کے رسول اگر آپ کو ضرورت نہیں ہے تو اس کا میرے ساتھ نکاح کردیجئے۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کیا تمہارے پاس مہر دینے کے لئے کچھ ہے تو اس آدمی نے کہا نہیں اللہ کی قسم یارسول اللہ تب آپ نے فرمایا گھر جاؤ اور دیکھو کہ کچھ پاتے ہو یا نہیں، وہ گیا اور واپس آیا اور کہا کہ اللہ کی قسم یارسول اللہ میں نے کچھ بھی نہیں پایا، آپ نے فرمایا جاؤ دیکھو اگر لوہے کی انگوٹھی ہے تب بھی لاؤ وہ گیا اور واپس آیا اور کہا کہ اے اللہ کے رسول میں نے کچھ بھی نہیں پایا لوہے کی انگوٹھی بھی نہیں پایا۔لیکن میرے پاس صرف یہ میری لنگی ہے سہل بن سعد راوی حدیث کہتے ہیں کہ اس کے پاس چادر نہیں تھی صرف لنگی ہی تھی۔تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایک لنگی سے کیا کروگے اگر تم پہنوگے تو وہ پہن نہیں پائے گی اور اگر وہ پہنیگی تو تم پہن نہیں پاؤگے وہ آدمی بیٹھ گیا اور دیر تک بیٹھا رہا اس کے بعد وہ جانے لگا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو بلانے کا حکم دیا اسے بلایا گیا جب وہ آیا تو آپ نے فرمایا: تمہیں قرآن یاد ہے؟ تو اس نے کہا کہ فلاں فلاں اور فلاں سورہ یاد ہے تو آپ نے فرمایا کہ زبانی یاد ہے تو اس نے کہا کہ ہاں تو آپ نے فرمایا کہ جاؤ اس کے ساتھ تمہارا نکاح کردیا قرآن کی تعلیم کو مہر بنا کر۔(۲)

صحیح مسلم کی ایک روایت میں ہے کہ ''فعلمها'' جاؤ اس کو قرآن کی سورت سکھلادو (صحیح مسلم کتاب النکاح باب الصداق وجواز کونہ تعلیم قرآن وخاتم حدید)

اس حدیث سے معلوم کہ طرفین کی رضامندی میں جو مہر طے پاجائے اسی کو مہر متعین کرنا چاہیے۔اور قرآن کی تعلیم بھی مہر ہوسکتی ہے۔

مذکورہ حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ لڑکی کی شادی میں کوئی خرچ ضروری نہیں ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس لڑکی سے اخراجات کے بارے میں کچھ نہیں کہا اور صرف لڑکا سے کہا کہ مہر دینے کے لئے تمہارے پاس کچھ ہے لہذا معلوم ہو کہ لڑکا کی شادی میں خرچ ہے یعنی مہر دینا اور ولیمہ کھلانا وغیرہ۔ (جاری)

☆☆☆

(۱) ابوداؤد کتاب النکاح باب الصداق رقم الحدیث (۱۲۰۶) سنن الترمذی کتاب النکاح باب ماجاء فی مھور النساء رقم الحدیث (۱۱۱۴) سنن ابن ماجہ کتاب النکاح باب الصداق النساء رقم الحدیث (۱۸۸۷)

(۲) رقم الحدیث ۵۰۳۰، ۵۰۲۹، ۲۳۱۰، ۵۰۸۷، ۵۱۲۱، ۵۱۲۶، ۵۱۳۲، ۱۵۳۵

جین مت

مولانا محمد مستقیم صاحب سلفی

جین کا لفظ ''جنا'' سے مشتق ہے جس کا معنی فاتح اور غالب ہے، یہ لوگ اپنے زعم میں اپنی خواہشات پر غالب آچکے ہیں اس لئے یہ اپنے آپ کو ''جینی'' کہتے ہیں۔ ''جین مت'' کے نقطہ آغاز سے متعلق حتمی طور پر کچھ کہنا مشکل ہے، تاہم اس مذہب کے لوگوں کا یہ دعویٰ ہے کہ ان کا مذہب ازلی اور ابدی ہے، البتہ ہر دور میں مختلف وقفوں کے ساتھ یکے بعد دیگر چوبیس ''تیرتھنکر'' (یعنی مصلح) پیدا ہوئے جو اپنے اپنے زمانے میں ''جین مت'' کی اصلاح اور احیاء کا کام سرانجام دیتے رہے، اس عالم وجود میں لوگوں کے اصلاح کے لئے پہلے ''تیرتھنکر'' ریشبھا'' ہیں اور چوبیسویں یعنی آخری ''تیرتھنکر'' مہابیر جین ہیں، مہابیر جین کے بعد اب اور کوئی تیرتھنکر اس دنیا میں نہیں آئے گا۔

جہاں تک تاریخی اعتبار سے اس نظریہ کی صحت کا تعلق ہے، اس بات کے قوی شواھد موجود ہیں کہ مہابیر خود جین مذہب کے بانی نہیں تھے، مہابیر کا پورا خاندان پہلے ہی سے اس مذہب کے پیروکار تھے۔

مہابیر کی پیدائش: مہابیر چھتریوں کی جناتا خاندان میں ۵۹۹ ق م جناتا سلطنت کی راج دھانی ویشالی میں پیدا ہوئے، جو بہار میں پٹنہ شہر کے قریب ایک قصبہ تھا، آپ کے والد کا نام ''سدھارتھ'' اور والدہ کا نام ترشالا تھا، خود مہابیر کا گھریلو نام ''وردھمان'' تھا، کئی بھائی بہن تھے، جن میں وردھمان سب سے بڑے بھائی سے چھوٹے تھے، وہ ابتداء عمر ہی سے مذہبی غور وفکر کی طرف مائل تھے اور بڑے ہوکر انھوں نے سنیاس لینے کی خواہش بھی ظاہر کی تھی لیکن والدین کی مرضی نہ پاکر اپنا ارادہ ملتوی کردیا تھا۔(۱)

مہابیر کا مذہبی نام اور مہابیر نام پڑنے کا سبب: اس سلسلہ میں صاحب الدیانات الوضعیہ لکھتے ہیں کہ: ولما بلغ يومه الثانى عشرجرت مراسيم تعميده واعطى الاسم الذى اختارته له الآلهة وهو فيرادا مانا ، ويعنى "المزيد" لان الخير بدأيزداد ويمنوفى أرجاء المملكة منذلحظة مولده۔

یعنی مہاتما مہابیر کی پیدائش کے بارھویں دن انکے مذھبی نام رکھنے کی رسم ادا کی گئی اس وقت آپ کے مہاپرشوں نے آپ کا نام ''بیرادامانا'' رکھا، اس کے معنی زیادتی کے ہیں اس لئے کہ ان کی پیدائش کے سال سے ہی ان کے والد کی مملکت اور بادشاہت میں خیر وبرکت کا اضافہ ہونے لگا تھا۔

جب آپ کچھ بڑے ہوئے تو اپنے ہم عمر وزراء کے لڑکوں کے ساتھ اپنے محل کے باغ میں سیر وتفریح کے لئے جایا کرتے تھے، ایک دن ایسا ہوا کہ ایک سفید ہاتھی چنگھاڑتا ہوا ان لوگوں کی جانب نکلا، آپ (مہابیر) کے تمام ساتھی اسکی

(۱) دنیا کے بڑے مذاہب، تقابل ادیان، دراسات فی الیھودیہ وغیرہ

خوفناک آواز سن کر بھاگ کر چھپ گئے لیکن آپ اپنی جگہ سے نہ ہٹے، ہاتھی جونہی قریب پہونچ کر آپ پر حملہ کیا آپ چھلانگ لگا کر اسکے سر پر جا کر بیٹھ گئے، اور اس کو آہستہ آہستہ چمکار کر اپنے قابو میں کر لے گئے، اور اس کو لا کر اصطبل میں باندھ دیا، آپ کی اس بہادری کا چرچا عام ہو گیا، اسی دن سے لوگوں نے آپ کا لقب ''مہابیر'' یعنی بہت بڑا بہادر، رکھا، پھر آپ مہابیر کے نام سے مشہور ہو گئے۔(۱)

شادی اور راھبانہ زندگی: آپ کے والدین نے آپ کی شادی ایک باحیثیت گھرانے کی لڑکی ''یشودھا'' کے ساتھ کر دی، جن کے بطن سے ان سے ایک لڑکی پیدا ہوئی جس کا نام ''آنوجا'' تھا۔

مہابیر جب ۳۰ سال کے تھے تو ان کے والدین کا انتقال ہو گیا، اسکے بعد انھوں نے اپنے بڑے بھائی ''نندی وردھن'' کے سامنے سنیاس لینے کا ارادہ ظاہر کیا، بھائی نے انھیں اجازت بھی دے دی، آپ نے ۱۲ سال سنیاس لینے کا عہد کر کے گھر سے جنگل کی طرف نکل پڑے اور اپنے خاندانی مذہب ''جین مت'' کے مطابق انھوں نے مختلف قسم کی ریاضتیں کرنی شروع کر دی، جس میں ترک دنیا کی انتہائی صورت اختیار کرنے کے لئے انھوں نے اپنے آپ کو ستر پوشی سے بھی بے نیاز کر لیا۔(۲)

ایک واقعہ: مہاتما مہابیر اپنے راھبانہ زندگی کے دوران اکثر روزہ رہا کرتے تھے، اور دوران روزہ اوراد میں مشغول رہتے، کسی سے ہم کلام نہیں ہوتے صرف اشارے سے کام لیتے تھے، ایک مرتبہ آپ روزہ کی حالت میں جنگل سے نکل کر ایک بستی کے قریب پہونچے، اور دیکھا کہ ایک چرواہا اپنی بکریوں کو لیکر ایک وسیع میدان میں چرا رہا ہے، جب آپ اسکے قریب پہونچے تو اس چرواہے کو آپ کو دیکھ کر ترس آیا اور آپ سے مخاطب ہوتے ہوئے کہا کہ آپ میری بکریوں کی خبر گیری کریں اور میں بستی میں جا کر خود اپنے لئے اور آپ کے لئے کچھ کھانا اور پانی لے آؤں، آپ نے اثبات میں اپنا سر ہلا دیا، چرواہا چلا گیا، ادھر ایک بھیڑیا آیا اور بکریوں میں سے ایک بکری کو اٹھا لے گیا، چرواہا جب واپس آیا تو اپنی ایک بکری گم پا کر بہت غصہ ہوا اور یہ کہتے ہوئے کہ تم چور ہو لاٹھی اٹھایا اور دو چار لاٹھی آپ کو مار بھی دیا، لیکن آپ نہ بولے (اس لئے کہ روزہ سے تھے) نہ بھاگے اور نہ اپنی طرف سے کوئی دفاعی کاروائی کی۔ مہاتما مہابیر کی یہ کیفیت دیکھ کر چرواہا بہت متاثر ہوا، اور اپنی کارکردگی پر بہت پچھتایا، پھر آپ سے مخاطب ہو کر یہ کہنے لگا ''انك أول رجل ألقاه يأبى أن يحمى نفسه أو يهرب، لابد انك رجل مقدس'' یعنی آپ پہلے آدمی ہیں جن سے میں ملاقات کر رہا ہوں جو نہ اپنا دفاع کرتا ہے اور نہ بھاگتا ہے، یقیناً آپ ایک مقدس آدمی ہیں، آپ بالکل چپ چاپ اس کی بات سنتے رہے اور جنگل کی راہ لی۔ آپ کے چلے جانے کے بعد چرواہا اپنے نفس کو مخاطب کر کے کہنے لگا ''لقد علمنى هذا الراهب درسا عظيما، هو ان الصمت اقوى من

(۱) الدیانات الوضعیہ ص ۱۵۳۔

(۲) دنیا کے بڑے مذاہب، الدیانات الوضعیہ

الکلام ''یعنی یقیناً اس درویش نے مجھے بہت عظیم درس دیا کہ ''بیشک چپ رہنا لغو کلام سے بہتر ہے۔(۱)

نروان حاصل ہونے کے بعد وطن واپسی: بارہ سال کی سخت ریاضتوں کے بعد مہابیر نے جین مت کے مطابق معرفت کا اعلیٰ ترین مقام حاصل کرلیا اور وردھمان کی جگہ مہابیر جین جیسے القاب سے یاد کئے جانے لگے اپنی عمر کے بقیہ ۳۰ سال انھوں نے جین مت کی رہنمائی، اصلاح اور اشاعت میں صرف کئے۔

سب سے پہلے گھر آ کر اپنے اہل وعیال وخاندان میں جین مت کی تبلیغ شروع کی پھر اپنے ہم زمانہ کے راجہ ومہاراجہ اور امراء کو دعوت دی، بہت سے لوگوں نے انکی دعوت پر لبیک کہا اور مکمل طور پر ان کے تابعدار ہو گئے، ان کے علاوہ گیارہ آدمی آپ کے خاص شاگرد بنے جنھوں نے مہابیر جین کے بعد جین مت کی اشاعت اور ترقی کا کام اپنے ہاتھ میں لیا مہابیر جین کا انتقال ۷۲ سال کی عمر میں ۵۲۷ ق م میں ہوا اور آپکے جسم کو جنوبی بہار کے مقام ''پاوا'' میں جلایا گیا اور پھر وہیں کچھ راکھ کی تدفین ہوئی، فی الوقت یہ مقام جینیوں کے نزدیک بہت متبرک ہے لوگ یہاں پر اطراف ہند سے آ کر اس مقام کی زیارت کرتے ہیں اور جہاں آپ کے جسم کو جلا کر تدفین کیا ہے اس کا طواف کرتے ہیں۔(۲) ☆☆

(بقیہ درس قرآن)

ہمارے رب تو نے ان کو یوں ہی نہیں پیدا کیا، تیری ذات ہر عیب سے پاک ہے پس تم ہمیں جہنم کی آگ سے بچالے۔(سورہ آل عمران:۱۹۱)

اور جہنم میں جانے والوں کے بارے میں بتایا کہ یہ لوگ عقل وفراست سے کام نہیں لیتے نہ کسی پر غور کرتے ہیں اور نہ کسی کی سنتے ہیں، بس اندھی تقلید وغفلت میں پڑے ہوئے ہیں، سورہ اعراف آیت نمبر ۱۷۹ میں فرمایا کہ ہم نے جہنم کے لیے بہت سے ایسے جن اور انسان کو پیدا کیا کہ ان کے پاس دل ہیں مگر اس سے سمجھتے نہیں، ان کے پاس آنکھ ہیں مگر اس سے دیکھتے نہیں، ان کے پاس کان ہیں مگر اس سے سنتے نہیں، وہ تو چوپایے جیسے بلکہ اس سے زیادہ گمراہ ہیں، یہ لوگ غفلت میں پڑے ہوئے ہیں۔

اللہ کے آخری رسول محمد ﷺ قرآن مجید پڑھ کر لوگوں کو سمجھایا کرتے تھے، ہم بھی انہیں کی امت ہیں، آپ کی پیشین گوئی کہ میری امت میں بہت سے فرقے ہوجائیں گے، ایک جنتی ہوگا باقی جہنم میں جائیں گے، غلط نہیں ہے، اس کو ہم اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں، اگر اس پیشین گوئی کا پہلا جملہ صحیح ہے تو دوسرا بھی صحیح ہوگا، اس لیے ہم سب کو اپنی عاقبت وانجام کے بارے میں سوچنا چاہئے، قرآن مجید میں اللہ تعالی نے غور وفکر کی دعوت دی ہے، جابجا فرمایا ہے: "أفلا تتفكرون، أفلا تعقلون، أفلا تبصرون، أفلا يتذكرون، أفلا ينظرون، أفلا يرون" یعنی غور وفکر کیوں نہیں کرتے، عقل سے کام کیوں نہیں لیتے، پرانے واقعات اور انجام سے نصیحت کیوں نہیں حاصل کرتے۔

فأي الفريقين أحق بالأمن ان كنتم تعلمون؟ (جاری)

(۱) الدیانات الوضعیہ ص:۱۵۴۔ (۲) دنیا کے بڑے مذاہب، الدیانات الوضعیہ، الموسوعہ

انکم ٹیکس کا نیا مجوزہ قانون
اور
اس کے مضر اثرات

محمد عبدالرحیم قریشی
اسسٹنٹ جنرل سکریٹری آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ

موجودہ انکم ٹیکس ایکٹ منسوخ کر کے اس کی جگہ ڈائرکٹ ٹیکسیس کوڈ نافذ کیا جائے گا۔ اسکا بل (مسودہ قانون) پیش کیا جاچکا ہے جو وزارت فینانس کی اسٹینڈنگ کمیٹی میں زیر غور ہے جس کے صدر نشیں سابقہ این۔ ڈی۔ اے حکومت کے وزیر مسٹر یشونت سنہا ہیں۔ ڈائرکٹ ٹیکسیس کوڈ بل کی کئی دفعات عبادت گاہوں، مذہبی اداروں، رفاہی، فلاحی وخیراتی اداروں کے لیے نقصان رساں ہیں اگر یہ بل جس انداز میں پیش ہوا ہے ویسا ہی منظور ہوجائے تو کیا خطرات لاحق ہوں گے ان کا مختصر تذکرہ یہاں کیا جارہا ہے۔

انکم ٹیکس کا قانون جب (۱۹۲۱ء) سے وجود میں آیا ہے مذہبی ٹرسٹ، مذہبی ادارے اور مذہبی عبادت گاہیں ٹیکس سے مستثنیٰ رہی ہیں تمام ہی مذہبی فرقوں کی عبادت گاہوں پر کوئی انکم ٹیکس عائد نہیں ہوتا۔ اس نئے ٹیکس کوڈ میں یہ سہولت ختم کردی جارہی ہے اور اس کو پارلیمنٹ منظور کرلے اور اس کا نفاذ ہوجائے تو ہر عبادت گاہ کو ہر سال انکم ٹیکس ادا کرنا ہوگا۔ ڈائرکٹ ٹیکسیس کوڈ میں کہا گیا ہے کہ پبلک ریلیجیس (Public Religious) عوامی مذہبی ادارے ٹیکس سے مستثنیٰ رہیں گے بشرطیکہ وہ 'عدم نفع تنظیم' (Non-ProfitOrganisation) ہوں۔ 'عدم نفع تنظیم' کی تعریف یہ ہے کہ ایسا ادارہ، ایسی انجمن اور ایسی تنظیم جو کسی مذہبی طبقہ یا فرقہ یا مخصوص ذات کی نہ ہو جس سے فائدہ اٹھانے والے کسی ایک ذات یا مذہبی فرقہ کے نہ ہوں اور دوسرے فرقہ کے لوگ بھی اس میں شامل ہوں۔ اس تعریف کے بعد مذہبی اداروں اور عبادت گاہوں کو ٹیکس سے معافی نہیں مل سکے گی۔ کیونکہ مندر ہے تو اس عبادت کرنے والے ہندو ہی ہوں گے 'مسجد میں عبادت کرنے والے مسلمان ہی ہوں گے یہی بات سکھوں کے گرودواروں، پارسیوں کی آگیاری (آتش گدہ) اور عیسائیوں کی چرچس کی ہے یہ عبادت گاہیں ایک مخصوص مذہبی طبقہ یا فرقہ کے لیے ہی ہیں، مندر ہندوؤں کے لیے، مسجد مسلمانوں کے لیے، گرودوارہ سکھوں، چرچ عیسائیوں کے لیے آتش کدہ پارسیوں کے لیے بنائے گئے ہیں۔ نئی تعریف کے بعد اسی لیے انھیں انکم ٹیکس سے چھوٹ نہیں ملے گی۔ یہ بہت بڑا ظلم ہے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ ہندوستان ایک سیکولر ملک ہے لیکن دستور سے سیکولرزم کی جو تعریف ملتی ہے وہ یہ نہیں ہے

یہاں سوویت روس کی طرح مذہب کی مخالف کی جائے گی اور مذہب کو مٹانے کی کوشش ہوگی۔ ہندوستان ان معنی میں سیکولر ہے کہ ملک کا کوئی سرکاری مذہب نہیں ہے اور حکومت تمام مذاہب کو تسلیم کرتی ہو اور سب سے اس کے سلوک میں یکسانیت ہو اور ہر مذہب سے اس کی قربت یا اس کا فاصلہ مساویانہ ہو۔ ان معنوں کے ساتھ یہ بھی ہے کہ مذہب کی اہمیت اور ضرورت کو تسلیم کیا گیا ہے اس لیے مذہبی آزادی اور مذہبی اداروں کی خودمختاری کی آزادی کو شہریوں کے، صرف اقلیتوں کے نہیں، تمام شہریوں کے بنیادی حقوق قرار دیا گیا ہے دستور کا آرٹیکل (۲۵) ضمیر، مذہب کی آزادی کا اعلان کرتا ہے یہ آزادی دراصل تین آزادیوں کی ڈوریوں سے بٹی ہوئی مضبوط رسی کے مشابہ ہے جس میں مذہبی عقیدہ کے رکھنے کی آزادی، مذہبی عقیدہ کے مطابق عمل کرنے کی آزادی اور مذہبی عقیدہ کے پرچار اور اشاعت کی آزادی شامل ہیں۔ آزادی کا یہ تصور یو۔ ایس۔ اے (امریکہ) کے تصور مذہبی آزادی سے زیادہ وسیع اور قوی ہے جہاں صرف عبادت کے حق (RIGHT TO WORSHIP) پر زور دیا جاتا ہے آرٹیکل (۲۶) مذہبی فرقوں اور مسالک کو اپنے مذہبی امور کے سلسلے میں اداروں کے قیام وانتظام کی آزادی عطا کرتا ہے اور خودمختاری کی ضمانت دیتا ہے۔ دستور کے یہ دو آرٹیکلس اس بات کا کھلا اور واضح ثبوت ہیں کہ دستور ساز مذہب کی ضرورت، اہمیت اور افادیت کے قائل تھے۔

اس بات کو ایک اور زاویہ نظر سے دیکھا جاسکتا ہے، مذہب ہی ہے جو انسان کو انسان بناتا ہے ایک اخلاقی مخلوق بناتا ہے اس کی اس طرح تربیت کرتا ہے کہ وہ معاشرہ کے لیے مفید اور کارآمد عنصر بن جاتا ہے۔ مذہب کی اخلاقی تعلیم انسان کو سنوارتی ہے، مذاہب جو نیکی اور بدی، ثواب وگناہ، پاپ وپن کے تصورات کو انسان کے دل ودماغ میں پیوست کرتے ہیں ان ہی کی وجہ سے انسان، انسان رہتا ہے، درندہ صفت حیوان نہیں بنتا۔ سچائی کی اچھائی، جھوٹ کی برائی، دھوکہ اور فریب کی مذمت، دوسروں کا حق چھیننے کی برائی، رشوت خوری کی ممانعت، اور اس کا پاپ وگناہ ہونا ایسے ہی اقدار کے ذریعہ انسان میں اپنے ہر عمل کے لیے ذمہ دار اور جوابدہ ہونے کا مزاج بنتا ہے اور فکر پیدا ہوتی ہے۔ قانون انسان کے لیے ضروری ہے لیکن قانون بے فیض، بے کار بلکہ نقصان دہ بن جاتا ہے جب تک کہ دل ودماغ میں تبدیلی نہ آئے اور یہ کام قانون نہیں کرسکتا۔ ملک کے کئی علاقوں کئی شہروں میں برسوں نشہ بندی رہی اور ان دنوں شراب کی ناجائز کشیدگی، منتقلی اور فروخت سب سے زیادہ نفع بخش کاروبار بن گئے۔ نشہ بندی کا قانون ناکام ہوگیا اس لئے اس کو اٹھالینا پڑا ممبئی میں یہی ہوا، آندھرا پردیش میں یہی ہوا، کئی اور مقامات ہی یہی انجام ہوا، آج کل بدعنوانی رشوت اور کالے دھن کے خلاف بہت کچھ کہا اور لکھا جارہا ہے سخت قوانین بنانے کا مطالبہ ہورہا ہے۔ لوک پال کے ادارے کے قیام کی بات ہورہی ہے۔ جو بھی ادارہ قائم اور سخت سے سخت قانون کے تحت جو بھی مشنری بنے گی اس کے عہدیداروں اور کام کرنے والوں کی چاندی ہوگی، رشوت کی شرح (ریٹ) بڑھ جائے گی۔ کالے دھن میں تیزی سے اضافہ ہوگا جب پیسہ ہی معاشرہ میں مرتبہ ومقام کا تعین کرتا ہے، بڑے سے بڑا کام کرواتا ہے، الیکشن جیتواتا ہے تو کیوں نہ پیسہ بٹورا جائے پیسہ بٹورنے کی فکر دور ہوگی اور آمدنی پیدا کرنے کی صحیح اور جائز طریقے اختیار کئے جائیں گے جبکہ آدمی یہ سمجھ لے کہ اگر دنیا کے قوانین کی گرفت سے بچ جاؤں، تب بھی رشوت، جھوٹ فریب اور دغا

کے لیے مرنے کے بعد کی پکڑ سے میں بچ نہیں سکوں گا یہاں شدید ضرورت مذہب کی ہے جو بتائے کہ یہ سب کام گناہ اور پاپ ہیں ان کا انجام بہت برا ہوگا گناہگار اور پاپی برے انجام کو پہنچتا ہے۔اس لیے معاشرہ کی تطہیر اور اس کو پاک اور صاف کرنے میں مذہبی ادارے اور عبادت گاہیں بڑا اہم رول انجام دے سکتے ہیں اور دیتے ہیں۔اس زاویۂ نظر سے مذہبی عبادت گاہیں ملک کے بڑے اہم اور مفید ادارے ہیں جن کی ہمت افزائی ہونی چاہیے۔

مشکل یہ ہے کہ ہندوستان میں مذہب کو اس تعمیری مقصد کے لیے استعمال کرنے کی بجائے، باہمی نفرتوں کو پیدا کرنے، ایک دوسرے کو لڑانے، ہم وطن بھائیوں کا خون بہانے، فسادات برپا کرنے کے لئے استعمال کیا گیا ہے جس کی وجہ سے بعض ذہنوں میں یہ خیال پیدا ہوا کہ مذہب تعمیری نہیں بلکہ تخریبی ذہن پیدا کرتا اور معاشرہ میں انتشار اور خلفشار کا باعث بنتا ہے اس لیے مذہب کے دائرہ کو محدود سے محدود تر کیا جائے اور اس کی ہمت شکنی کی جائے۔ڈائرکٹ ٹیکسیس کوڈ کا مسودہ بنانے والے اس خام اور کچے ذہن کے حامل معلوم ہوتے ہیں۔اور ان میں مذہب کی مخالفت اور مذہب سے دشمنی کا جذبہ نظر آتا ہے۔

اس لئے ضروری ہے کہ ہندوستان کے مذہب سے تعلق رکھنے والے اور مذہب پر ایمان رکھنے والے عوام، ملک کے ہندو، مسلمان، سکھ، پارسی اور عیسائی سب کے سب اس کوڈ کے خلاف اٹھ کھڑے ہوں اور اعلان کریں کہ یہ ہم پر ظلم ہے ہم اس کو برداشت نہیں کریں گے۔ڈائرکٹ ٹیکسیس کوڈ بل میں ترمیم کی جائے اور عبادت گاہوں پر انکم ٹیکس یا ویلتھ ٹیکس نہ لگایا جائے اور اب تک انکم ٹیکس قوانین میں عبادت گاہوں اور مذہبی اداروں کی جو پوزیشن تھی اس کو بحال کیا جائے۔

ڈائرکٹ ٹیکسیس کوڈ رفاہ عام کے اداروں، تعلیمی وخیراتی کاموں کی انجمنوں اور ٹرسٹوں کے لیے بھی خطرہ کی گھنٹی ہے۔۱۹۲۱ء کے انکم ٹیکس قانون کے ماتحت تمام ایسے اداروں کو، حتیٰ کہ کسی ایک فرقہ کے لیے قائم ادارے کو بھی چند ضوابط کی تکمیل کے بعد انکم ٹیکس سے چھوٹ حاصل تھی۔اس سہولت سے فائدہ اٹھاتے ہوئے کئی مذہبی طبقوں اور فرقہ کے لوگوں نے اپنے طبقہ وفرقہ کے لوگوں کو مدد دینے اور فائدہ پہنچانے کے لیے ادارے اور ٹرسٹس قائم کئے ۱۹۱۶ء میں انکم ٹیکس کا نیا قانون بنایا گیا جو یکم/اپریل ۱۹۶۲ء سے اب تک نافذ العمل ہے، اس قانون کے تحت کسی مذہبی طبقہ یا فرقہ کے لیے یکم/اپریل ۱۹۶۲ء سے پہلے جو چیرٹیبل ادارے یا ٹرسٹس قائم کیے گئے ان کے لیے انکم ٹیکس سے چھوٹ کی سہولیت برقرار رکھی گئی لیکن اس تاریخ کے بعد قائم ہونے والے چیرٹیبل اداروں اور ٹرسٹس کے بارے میں یہ قانون بنایا گیا کہ انکم ٹیکس سے چھوٹ کی سہولت ان کو ہوگی جو کسی فرقہ سے متعلق نہ ہوں۔

(Non - Denominational) ہوں۔اس طرح کسی مذہبی فرقہ کے لیے قائم ٹرسٹس اور اداروں کو انکم ٹیکس کی سہولیت محروم کردیا گیا۔لیکن عملاً یہ ہوتا رہا کہ ادارے اور ٹرسٹس ایسے بنائے جاتے رہے جن کے اغراض ومقاصد اور ضوابط سے یہی ظاہر ہوتا ہے کہ یہ کسی مذہبی فرقہ سے متعلق لوگوں کو فائدہ پہنچانے کے لیے نہیں بنائے گئے ہیں۔اس کی وجہ سے انھیں انکم ٹیکس میں رجسٹریشن اور انکم ٹیکس کی ادائیگی سے چھوٹ مل جاتی اور وہ یہ فائدہ اپنے ہی فرقہ کے لوگوں کو پہنچاتے اور خدمت اپنے ہی فرقہ کے لوگوں کی کرتے گجراتیوں کے اداروں اور ٹرسٹ سے گجراتیوں، مارواڑیوں سے مارواڑیوں کو اس طرح مسلم

فرقوں کے اداروں اور ٹرسٹس سے اس فرقہ کی خدمت ہوتی اور انکم ٹیکس سے چھوٹ کی سہولت بھی جاری رہتی۔

اب ڈائرکٹ ٹیکسیس کوڈ کے بعد یہ نہیں ہو سکے گا۔ یکم/اپریل ۱۹۶۲ء سے پہلے قائم کیے گئے اداروں اور ٹرسٹوں کو جو چھوٹ اب تک حاصل ہے ختم ہو جائے گی۔ اس لئے ضروری ہے کہ اب تک جس نوعیت کے اداروں کو چھوٹ حاصل رہی ہے اس سہولت کو ان اداروں کے لیے جاری رکھا جائے۔

دوسرے یہ کہ کسی چیرٹیبل ادارے یا ٹرسٹ سے فائدہ اٹھانے والے کون ہیں ان کی جانچ کا اختیار زیادتی ہے البتہ یہ شرط لگائی جاسکتی ہے کہ ادارے یا ٹرسٹ کو قائم کرنے والے اپنے ہی لوگوں کو فائدہ پہنچاتے ہوئے کچھ دوسروں کو بھی فائدہ پہنچائیں۔ استفادہ کرنے والوں کی بھاری اکثریت ان کی ہو جن کا تعلق ادارہ یا ٹرسٹ بنانے والوں کے طبقہ یا فرقہ سے ہو برداشت کرلیا جائے۔

حکومت اگر یہ سمجھتی ہے کہ سارے رفاہی کام وہی کرے گی اور کرسکتی ہے تو ہم یہی کہیں گے کہ حکومت احمقوں کی جنت میں رہتی ہے۔ حکومت ایسے تمام کام نہیں کرسکتی۔ نہ ہر کیلومیٹر پر معیاری اسکول قائم کرسکتی، نہ تمام یتیموں کی پرورش اور دیکھ بھال کا انتظام کرسکتی، نہ تمام معذروں کی کفالت کا انتظام کرسکتی اور نہ تمام غریبوں کے لیے کم ازکم دو وقت پیٹ بھر کھانے کا انتظام کرسکتی ہے۔ اس لیے حکومت کو چاہیے کہ ایسی ترغیبات (Incentives) دے جن وجہ سے لوگ اس طرح رفاہی وخیراتی چیرٹیبل ادارے قائم کرسکیں۔ اس طریقہ پر زیادہ سے زیادہ رفاہی وخیراتی کاموں کو فروغ مل سکتا ہے۔ مگر ڈائرکٹ ٹیکسیس کوڈ کا مقصد ایسے کاموں کی ہمت شکنی کرنا معلوم ہوتا ہے۔

اس وقت چیرٹیبل اداروں اور ٹرسٹس کو اجازت ہے کہ اپنی آمدنی کا ۱۵ فیصد بچا کر رکھ سکیں اور جمع کریں اب کوڈ کے تحت اگر تین سال کے اندر یہ بچت صرف نہیں کی گئی تو اس پر ٹیکس لگے گا اب یہ سہولت ہے کہ کوئی ٹرسٹ اپنے کارپس کی رقم کوئی ٹیکس ادا کیے بغیر ۵ سال تک محفوظ کرسکتا ہے نئے قانون سے یہ سہولت ختم کی جارہی ہے۔

یہ بھی ذہن میں رہے کہ کسی فرقہ کی جانب سے یا اس کے افراد کے استفادہ کے لیے جو ادارے اور ٹرسٹ ہیں ان پر ٹیکس ۳۰ فیصد کی شرح سے لگے گا۔ اس قانون اور اتنی بڑھی شرح کے نتیجہ میں جو لوگ فلاحی اداروں، ان ہی کاموں میں اپنے عطیات دیتے ہیں وہ بھی رک جائیں گے۔

ڈائرکٹ ٹیکسیس کوڈ بل بنانے والے ملک اور قوم کے خیر خواہ نہیں ہیں، معلوم ہوتا ہے کہ ان کا تعلق لٹیروں سے ہے جنھوں نے پیسہ لوٹنے اور پیسہ بٹورنے کے مقصد کے تحت یہ کوڈ بل تیار کیا ہے۔ ضرورت ہے ہندوستانی شہری جاگیں، ہندو مسلم سکھ عیسائی اور پارسی سب جاگیں اور حکومت ہند کو مجبور کریں کہ وہ عبادت گاہوں اور مذہبی اداروں کو اور چیرٹیبل ٹرسٹس اور اداروں کو ٹیکس سے مستثنیٰ کرنے کے لیے کوڈ بل میں ترمیم کرے۔ یہ عبادت گاہیں شہریوں کو اچھا شہری بناتیں اور رفاہی وخیراتی کام کرنے والے ادارے حکومت کے بوجھ کو کم کرتے ہیں اور ملک کی ترقی میں ہاتھ بٹاتے ہیں۔

☆☆☆

مصالحت: معاشرتی ضرورت اور دینی فریضہ

سعید الرحمٰن عبد المجید

دنیا میں بہت سے ادیان و مذاہب اور انکے متبعین پائے جاتے ہیں ان مذاہب میں اسلام ایک ایسا مذہب ہے جو اس اعتبار سے دیگر تمام ادیان پر فائق ہے کہ وہ منزل من اللہ ہونے کے ساتھ ساتھ اسکے تا قیامت بقا و تحفظ کی ذمہ داری خود خالق کائنات نے اپنے ذمہ لی ہے اس لیے وہ دیگر ادیان سماویہ کا ناسخ زندہ و پائندہ اور محفوظ و دائم دین ہے۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ اسلام دین فطرت ہے اسکے سارے قوانین انسانوں کی فلاح و کامرانی کے لیے بنائے گئے ہیں اور انسان کی فطرت سلیمہ کے ہم آہنگ بھی ہیں ان کو اپنا کر انسان سکون و اطمینان کی زندگی بسر کرسکتا ہے اور معاشرہ کے اندر میل محبت قائم رکھ سکتا ہے۔ اللہ رب العالمین اصلاح بین الناس کے متعلق فرمایا:

﴿وإن طآئفتٰن من المومنين اقتتلوا فأصلحوا بينهما،فإن بغت احدٰهما على الاخرىٰ فقاتلوا لتى تبغى حتى تفيٓءَ إلى امرالله فإن فاء ت فأصلحوا بينهما بالعدل وأقسطواإن الله يحب المقسطين﴾ (الحجرات/۹)

اور اگر مسلمانوں کی دو جماعتیں آپس میں لڑ پڑیں تو ان میں میل ملاپ کرادو پھر اگر ان دونوں میں سے ایک دوسری (جماعت) پر زیادتی کرے تو تم (سب) اس گروہ سے جو زیادتی کرتا ہے، لڑو یہاں تک کہ وہ اللہ کے حکم کی طرف لوٹ آئے اگر لوٹ آئے تو انصاف کے ساتھ صلح کرادو بے شک اللہ تعالیٰ انصاف کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔

معلوم ہوا کہ اگر مسلمانوں کی دو جماعتوں کے مابین کسی بھی معاملہ میں نزاع و اختلاف ہو جائے تو ان کے درمیان عدل و انصاف کے پیمانہ کو نظر خاطر میں رکھتے ہوئے مصالحت کرانے میں سبقت کرنا چاہیے، یہ اللہ کے نزدیک محبوب اعمال میں سے ہے۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿إنما المومنون اخوةفاصلحوابين اخويكم واتقوا لله لعلكم ترحمون﴾ (الحجرات:۱۰)

سارے مسلمان بھائی بھائی ہیں پس اپنے دو بھائیوں میں ملاپ کرادیا کرو اور اللہ سے ڈرتے رہو تا کہ تم پر رحم کیا جائے۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جب تیس راتوں کے لئے کوہ طور پر بلایا، جس میں دس راتوں کا اضافہ کر کے اسے چالیس کر دیا گیا، تو حضرت موسیٰ نے جاتے وقت حضرت ہارون کو جو ان کے بھائی بھی تھے اور نبی بھی اپنا جانشین مقرر کر دیا تا کہ وہ بنی اسرائیل کی ہدایت و اصلاح کا کام کرتے رہیں اور انھیں ہر قسم کے فساد سے بچائیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿وواعدنا موسىٰ ثلثين ليلةً واتممنٰها بعشرٍ فتم ميقات ربه أربعين ليلةً وقال موسىٰ لأخيه هارون اخلفنى في قومي وأصلح ولا تتبع سبيل المفسدين﴾ (الاعراف/۱۴۲)

اور ہم نے موسیٰ سے تیس راتوں کا وعدہ کیا اور دس راتوں سے ان تیس راتوں کو پورا کیا سو ان کے پروردگار کا وقت پورے چالیس رات کا ہو گیا، اور موسیٰ نے اپنے بھائی ھارون سے کہا کہ میرے بعد ان کا انتظام کرنا اور اصلاح کرتے رہنا اور بدنظم لوگوں کی رائے پر عمل مت کرنا۔

اللہ رب العالمین نے حضرت شعیب علیہ السلام سے متعلق فرمایا:

﴿قال يقوم أرأيتم إن كنت على بيّنةٍ من ربى ورزقنى منه رزقاً حسناً وما أريد أن أخالفكم الى ما أنهاكم عنه إن أريد الا اصلاح ما استطعت﴾ (ھود/۸۸)

کہا اے میری قوم! دیکھو اگر میں اپنے رب کی طرف سے روشن دلیل لیے ہوئے ہوں اور اس نے مجھے اپنے پاس سے بہترین روزی دے رکھی ہے میرا یہ ارادہ بالکل نہیں کہ تمہارے خلاف کر کے خود اس چیز کی طرف جھک جاؤں جس سے تمہیں روک رہا ہوں میرا ارادہ تو اپنی طاقت بھر اصلاح کرنے کا ہے۔

یعنی میں تمہیں جس کام سے رکنے کا حکم دیتا ہوں اس سے میرا مقصد تمہاری اصلاح کرنا ہے۔

اصلاح کا عمل خواہ وہ اصلاح نفس یعنی تزکیہ نفس ہو یا اصلاح بین الناس یعنی صلح مصالحت ہو دونوں بہت بڑے اجر وثواب کا کام ہے خود اپنے نفس کی اصلاح کر کے اچھے کام کرنا اور دوسروں کی اصلاح کرنا، خلاف شرع اعمال دیکھ کر ان کو ان سے باز رکھنا یہ ایک صالح اور نیک معاشرہ کے افراد کی ذمہ داری اور شناخت ہے اور باعث اجر وثواب بھی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿لا خير فى كثير من نجوٰهم إلا من أمر بصدقة أو معروف أو اصلاح بين الناس ومن يفعل ذلك ابتغآء مرضات الله فسوف نؤتيه أجراً عظيماً﴾ (النساء:۱۱۴)

ان کے اکثر مصلحتی مشورے بے خیر ہیں ہاں بھلائی اس کے مشورے میں ہے جو خیرات کا یا نیک بات کا یا لوگوں میں صلح کرانے کا حکم کرے اور جو شخص صرف اللہ تعالیٰ کی رضامندی حاصل کرنے کے ارادے سے یہ کام کرے اسے ہم یقیناً بہت بڑا ثواب دیں گے۔

دوسری جگہ اللہ تعالیٰ اصلاح کے اجر وثواب سے متعلق فرماتا ہے:

﴿وجزاؤ سيئةٍ سيئة مثلها فمن عفا وأصلح فأجره على الله إنه لا يحب الظالمين﴾ (الشوریٰ/۴۰)

برائی کا بدلہ اسی کے مثل برائی ہے پس جس نے معاف کیا اور صلح کر لیا تو اسکا اجر اللہ پر ہے بے شک اللہ ظالموں کو پسند نہیں فرماتا ہے۔

یعنی اللہ تعالیٰ اسکو جتنا چاہے گا اجر وثواب وانعام اکرام سے نوازے گا اسکی کوئی تحدید متعین نہیں ہے، یہ امر اللہ کے نزدیک بہت ہی محبوب ہے۔

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زندگی میں اسلام کے اس عظیم اصول پر عمل کر کے امت کو دکھایا یہاں تک اللہ کے رسول نے اپنے نواسے حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے بارے میں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ان کے ذریعہ مسلمانوں کی دو بڑی جماعتوں کے درمیان صلح کرائے گا۔

قال أبوبكرة: رأيت رسول الله صلى الله عليه وسلم على المنبر والحسن ابن علي إلى جنبه وهو يقبل على الناس مرة وعليه أخرى ويقول إن ابنى هذا سيد ولعل الله أن يصلح به بين فئتين عظمتين من المسلمين (رواہ البخاری)

ابوبکرۃ فرماتے ہیں میں نے اللہ کے رسول کو منبر پر دیکھا اور حسن بن علی آپ کے بغل میں تھے اور آپ ایک مرتبہ لوگوں پر متوجہ ہوتے اور دوسری مرتبہ حسن بن علی پر اور کہہ رہے تھے بے شک یہ میرا بیٹا سردار ہے اللہ تعالیٰ اس کے ذریعہ مسلمانوں کی دو بڑی جماعتوں میں صلح کرائے گا۔

معاملہ ایسے ہوا کہ حضرت علی اور معاویہ کے درمیان نزاع کا رفع دفع حضرت حسن بن علیؓ کے ذریعہ ہوا انھوں نے حضرت معاویہ کو امیر عام تسلیم کر کے امت کی دو بڑی جماعتوں میں صلح کرادیا۔

ایک موقع پر اللہ کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خود صلح کرانے کے لیے گئے اور نزاع واختلاف کو رفع کیا۔ عن سهل بن سعد رضى الله عنه أن اهل قبا اقتتلوا حتي تراموابالحجارة فأخبر رسول الله صلى الله عليه وسلم بذالك فقال اذهبوا بنا نصلح بينهم (فتح الباری)

سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اہل قبا آپس میں لڑ پڑے یہاں تک ایک دوسرے پر پتھر برسانے لگے تو اللہ کے رسول کو اس کی خبر دی گئی تو آپ نے کہا ہم کو لے چلو ہم ان کے مابین صلح کرائیں گے۔

ان دلائل سے یہ معلوم ہوا کہ امت کے درمیان اختلاف کے موقع پر مصالحت کرادینا بہت بڑے اجر وثواب کا کام ہے یہ ایک پیغمبرانہ مشن ہے انبیاء ورسل نے اپنی امت کے درمیان اس فریضہ کو انجام دیا ہے اور امت محمدیہ جو تمام امتوں میں سب سے افضل ہے اس اہم ذمہ داری سے غفلت کیوں اختیار کرے اس لیے امت کے اپنے مسلم بھائیوں کے درمیان حتی المقدور اصلاح کرانے، ان کے درمیان واقع نزاع واختلاف کو رفع ودفع کرنے کی کوشش کریں۔

اسی مصالحت کی اہمیت کے پیش نظر اللہ کے رسول نے اس کے لیے حسب ضرورت جھوٹ بولنے کی بھی اجازت فرمائی جب کہ یہ بات مسلم ہے کہ شریعت محمدیہ میں جھوٹ بولنا گناہ کبیرہ ہے۔ ''لیس الكذاب الذى يصلح بين الناس ينمى خيراًويقول خيراً'' (بخاری کتاب الصلح، مسلم والترمذی کتاب البر)

وہ شخص جھوٹا نہیں جو لوگوں کے درمیان صلح کرانے کے لیے اچھی بات پھیلاتا یا اچھی بات کرتا ہے۔

یہ حقیقت ہے کہ اس فریضہ کے انجام دہی میں جس قدر مستعدی سے کام لیا جائے گا معاشرہ میں اتفاق واتحاد اور میل محبت کا اتنا ہی بول بالا ہوگا اور وہ معاشرہ اللہ کی رحمتوں کا اتنا ہی بہرہ ور ہوگا۔

☆☆☆

امیر الشعراء احمد شوقی

پروفیسر ابو حاتم خان
ڈپارٹمنٹ آف عربک، بنارس ہندو یونیورسیٹی

انیسویں صدی کے وسط اخیر اور بیسویں صدی کے اوائل میں مصر کی تہذیب وثقافت کے گہوارہ اور علم وعرفان کے گنجینہ، قاہرہ میں جنم لینے والا یہ شاعر عربی ادب کے افق پر درخشاں تارہ کے مانند چمک رہا ہے۔ اور اپنی شاعری سے آج تک قلوب واذہان کو معطر کر رہا ہے۔ وہ ایک صاحب طرز اور یگانہ روزگار شاعر تھا۔ اور مصر کے ان اعاظم رجال میں سے تھا جن سے مصر کی تہذیب وتمدن اور عربی ادب کی تصویب ہوتی ہے وہ عربی ادب کی اس روایت کا نمائندہ ہے جسے عربی اشعار وادب کی بنیادی روایت سے تعبیر کیا جاسکتا ہے۔ اس نے عربی شاعری کو لسانی، تہذیبی، معاشرتی، فکری اور سیاسی ہر سطح پر تقویت دی ہے۔ زبان کا سب سے بڑا وصف اس کی سادگی اور شایستگی کو تصور کیا جاتا ہے۔

امیر الشعراء احمد شوقی کا مزاج تصنع وتکلف اور خواہ مخواہ کی عبارت سے قطعاً میل نہیں کھاتا، اس نے جو زبان استعمال کی ہے وہ ہر خاص وعام کو سمجھ میں آتی ہے بلکہ اس میں ایک قسم کا لطف محسوس ہوتا ہے، یہ انھیں کا کمال تھا کہ جن چیزوں کو اس نے موضوع بحث بنایا، اسے لطیف اور مزے دار بنا دیا اور جمیع جوانب سے اسے صیقل کر دیا۔

ان تمام خوبیوں اور کمالات کا مالک یہ عظیم الشان شاعر ۱۸۶۸ء میں ایسے خانوادہ میں آنکھ کھولی جو عیش وتنعم کی زندگی بسر کرتا تھا۔ اور جسے ترفہ کے تمام وسائل مہیا تھے، اس کے والدین مختلف عناصر سے تعلق رکھتے تھے، باپ کی رگوں میں عربی، کردی، اور چرکسی خون دوڑ رہا تھا تو ماں ترکی اور یونانی نسل سے تعلق رکھتی تھی۔ شوقی کی پرورش وپرداخت نہایت ناز ونعمت سے ہوئی، اس کی ماں نے اس کی تربیت میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا، شوقی جب چار سال کا ہوا تو اسے عربی زبان کی ابجد سے متعارف ہونے کے لیے مکتب میں داخل کر دیا گیا، ابتدائی تعلیم پھر متوسطہ اور ثانویہ پاس کیا، ابھی کم سن ہی تھا کہ اس نے مدرسۃ الحقوق میں داخلہ لیا، اور وہاں کی ڈگری لی۔ پھر مدرسۃ الترجمۃ سے منسلک ہوگیا اور اسی مدرسہ سے سند فراغت حاصل کی، یہ اس زمانہ میں تعلیم کی اہم ڈگری تسلیم کی جاتی تھی، اسی مدرسہ میں عربی ادب کے استاذ محمد بسیونی سے وہ متعارف ہوا، اس وقت اسی کی زبان سے شعروشاعری کے چشمے پھوٹنے لگے تھے۔ بنابریں اس کے استاذ اس سے بہت محبت کرتے تھے، انہی کی مدحیہ شاعری کے نقش قدم پر چلتے ہوئے شوقی نے بھی مدحیہ شاعری کی سمت توجہ کی ۱۸۸۷ء میں شوقی نے مدرسۃ الترجمہ سے فراغت حاصل کرنے کے بعد خدیو توفیق کے خرچ پر قانون کی اعلیٰ تعلیم کے لئے پیرس (فرانس) گیا، وہاں مونبلیہ کالج میں زیر تعلیم رہا، فرانس میں قیام کے دوران اسے سیر وسیاحت کا موقع ملا، فرانس کے متعدد شہروں، اور بشمول انگلینڈ دیگر یورپی شہروں کی زیارت سے متمتع ہوا اور وہاں کی تہذیب وتمدن سے متعارف ہوا۔ ابھی قانون کی تعلیم کا تیسرا سال پایہ تکمیل کو نہیں پہنچا تھا کہ وہ بیمار ہوگیا اور صحت یابی کے لیے الجزائر کا رخ کیا، وہاں تقریباً ڈیڑھ ماہ قیام کرنے کے بعد دوبارہ پیرس آ گیا اور تیسرا سال مکمل کر کے قانون کی ڈگری حاصل کی، تکمیل تعلیم کے بعد مزید چھ ماہ تک پیرس میں قیام کیا اور وہاں کے مشہور کتب خانوں سے مستفید ہوا اور یورپی تہذیب وثقافت کا عمیق نظر سے مطالعہ کیا اور وہاں کی ادبی زندگی کا مشاہدہ کیا۔ اس دوران وہ وکٹر ہیوگو، دی موسیہ اور لافونٹین جیسے فرانسیسی ادباء وشعراء کی نگارشات کا مطالعہ کرنے میں منہمک ہوگیا اور اس انہماک کا نتیجہ یہ ہوا کہ اس نے لامارٹین کے قصیدہ ''البحیرۃ'' کا منظوم ترجمہ کیا۔ اور ہیوگی کی ''أساطير القرون'' کے طرز پر'' الحوادث في وادي النيل '' کے عنوان سے ایک طویل قصیدہ لکھا جسے اس نے ۱۸۹۴ء میں منعقد ہونے والی مستشرقین کی کانفرنس میں پڑھ کر سنایا، اور داد تحسین

حاصل کی۔اس کانفرنس میں جو جنیوا میں قائم ہوئی، مصر کی نمایندگی کی۔

۱۸۹۱ء میں شوقی جب پیرس سے علم وادب سے مالا مال ہوکر آیا تو خدیو عباسی کے محل میں شعبہ انگریزی کا سربراہ مقرر ہوا اور دیکھتے دیکھتے شاعر عباس بن گیا۔اپنی اعلیٰ تعلیم، ذہانت وفطانت، دانش مندی اور علم وادب میں فن کمال کی بلندیوں کو چھونے، ترکی اور فرانسیسی زبان پر مہارت اور ملکۂ تامہ رکھنے کی وجہ سے عباس کے دل میں عظیم مقام بنالیا جس کی وجہ سے شوقی کو دیگر امور کے نظم ونسق کی ذمہ داری تفویض کی گئی اور ایک طویل مدت تک ان ذمہ داریوں کو بحسن وخوبی انجام دیا۔۱۸۹۱ء-۱۹۱۵ء تک کا یہ زمانہ ثروت وامارت کے اعتبار سے شوقی کی زندگی کے سنہری لمحات تھے۔

بقول ڈاکٹر شوقی ضیف:

''شوقی کی سب سے اہم چیز جو عباس کو بہت پسند تھی، وہ شوقی کے دو مدحیہ قصیدے تھے جو اس نے عباس خدیو کی مدح میں مصر پر اس کی حکمرانی کی سال گرہ اور دیگر مختلف مواقع پر زینت قرطاس بخشا تھا۔شوقی اس کی ہر سیاسی آرزو کی ترجمانی کرتا۔وہ کبھی عثمانی خلیفہ کی مدح وسرائی اور اس کے مناقب بیان کرتا، جس کی رضا جوئی عباس کا مقصد ہوتی۔اور کبھی سلطان کی انگریزوں سے کسی بات پر ان بن ہوجاتی تو شوقی انگریزوں کو ہدف ملامت ٹھہراتا، اور ان کے عیوب بیان کرتا''۔(الادب العربی المعاصر في مصر، ص:۹٤)

فن شاعری میں شوقی کی پرورش ایسے ہی ہوئی جیسے عام طور پر شعراء کی پرورش ہوا کرتی ہے۔اس نے سب سے پہلے مدحیہ قصائد لکھے۔اپنے مدحیہ قصائد میں خدیو توفیق، خدیوی اسماعیل، محمد علی، حسین کامل اور فؤاد اول کی تعریف وتوصیف کی علاوہ ازیں اس نے دوست واحباب، زعماء، وقائدین، اوروی، آئی، پی شخصیات کو موضوع سخن بنایا۔عثمانی بادشاہ عبدالحمید ثانی، سعد زغلول، مصطفیٰ کمال اور محمد فرید جیسے اعاظم رجال کی مدح کے گیت گائے۔اسی درمیان اسے ''شاعر العزیز'' کے لقب سے نوازا گیا۔

اس زمانہ کی شاعری اپنے موضوع واسلوب کے اعتبار سے قدیم شعراء کے طرز پر ہے۔اس کا بیشتر حصہ طویل قصائد پر مشتمل ہے جن کو بلحاظ موضوع مدحیہ، مرثیہ، غزل، فخریات اور خمریات وغیرہ میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔اگر چہ اس زمانے کی شاعری کو تقلیدی شاعری کا نام دیا جا سکتا ہے مگر تعبیرات میں جدت اور تراکیب میں نرالا پن ہے، بیان میں صفائی اور سلاست ہے، تمثیلات وتشبیہات اور استعارے نئے ہیں، شعر میں نفسیاتِ انسانی کا ایک عمیق مطالعہ موجود ہے۔(نخبۃ الأدب، ص:۴۱۳) لیکن اس دور کی شاعری میں وہ دھار نہیں ہے جو حافظ ابراہیم کی شاعری میں تھی، کیوں کہ اس کا اختلاط عوام سے نہیں ہوا تھا، اس دور کی شاعری کا تجزیہ اور اس کا سبب بیان کرتے ہوئے ڈاکٹر شوقی ضیف لکھتے ہیں:

''ابھی تک شوقی کا عوام سے اختلاط نہیں ہوا تھا، اس لیے قومی جذبات اور عوام کے سیاسی رجحانات کی ترجمانی میں حافظ ابراہیم کو اس پر فوقیت تھی۔حافظ ابراہیم اپنی قوم کا ایسا فرزند تھا جو ان کے دکھ درد اور رنج وغم کا گہرائی سے احساس کرتا تھا''(الادب العربی المعاصر فی مصر، ص:۹۴)

جس طرح شوقی نے ربع قرن تک عیش وتنعم کی زندگی گذاری دنیاوی ھموم وغموم سے آزاد رہا۔اور مال ومنال سے متمتع ہوا، اور عطیات وبخششوں سے محظوظ ہوا۔قدر ومنزلت کے مدارج طے کئے، عہدوں اور مناصب سے حظِ وافر ملا، اسی طرح ان کے عوض اس کو مصائب ومحن سے گذرنا پڑا۔ہوا یہ کہ پہلی جنگ عظیم کے اعلان کے وقت عباس پاشا ترکی میں تھا۔انگریزوں نے اسے مصر میں قدم رنجہ ہونے سے منع کر دیا اور حسین کامل کو مصر کا نیا بادشاہ مقرر کیا۔اور انگریز عباس پاشا سے ہمدردی اور انسیت رکھنے والوں کو قصر شاہی سے دور کرنے لگے۔ان حالات میں شوقی خاموش نہ رہ سکا اس نے ایک قصیدہ لکھا اور انگلینڈ کے اعلان کردہ مصر کی حفاظت کے عہد اور وعدے کو ذکر کیا اس کے پاداش میں انگریزوں نے اسے اسپین جلاوطن کر دیا۔۱۹۱۵ء-۱۹۱۹ء تک کا زمانہ شوقی کی جلاوطنی کا زمانہ ہے، اس جلاوطنی

کے سانحے سے اس کے دل میں اپنے ملک وقوم کی محبت شدید سے شدید تر ہوگئی۔ وہاں سے اس نے عربوں کی عظمتوں اور ان کے گم گشتہ ملک اندلس کے بارے میں بہت سارے قصائد اور اشعار حیطۂ تحریر میں لایا۔ اسے اپنی حرمان نصیبی کا احساس ہوا۔ اس احساس نے اس کے ذاتی غم کو وسعت بخشا اور غم انسانیت میں تبدیل ہوگیا۔ اس دور کی شاعری میں اس نے صرف اپنے غم والم کا گیت گایا، اور غم انسانیت کی عکاسی کی، انقلاب زمانہ کا گہری نظر سے مطالعہ کیا اور سماج کی نئی دنیا میں قدم رکھا اور اسے اپنی شاعری کا موضوع بنایا۔

۱۹۱۹ء کے اخیر تک جب مصر کی سیاسی حالت سازگار ہوگئی تو وہ مصر واپس آ گیا تو ''فوجد أرضها تخضبها دماء الشهداء فی ثور تها الوطنية،كماتبدلت حاله أيضا،فترك القصر،فكانت في ذلك فرصة لشوقي للاتصال بالشعب'' دیکھا کہ انقلابی تحریک میں مصر شہیدوں کے خون سے لالہ زار ہے، اور اس کی حالت بھی بدل گئی تھی اس نے قصر کی شاہانہ زندگی کو خیر باد کہا، اس سے شوقی کے لیے سماج اور قوم سے اتصال وانسلاک کے مواقع میسر ہوئے۔ اب اس کی فکر کا محور اس کا فن اور اس کی قوم ہوگئی۔ اپنی قوم کے لیے ایسے لاجواب اور عظیم الشان قصائد لکھا کی کہ وہ اس معاملہ میں حافظ ابراہیم پر فوقیت لے گیا۔ ان قصائد میں نہ صرف مصری قوم کے لیے بلکہ تمام انسانیت کے لیے فلاح وامن کا پیغام ہے۔

نحن اليواقيت خاض النار جوهرنا ولم يهن بيد التشتيت غالينا
لم تنزل الشمس ميزاناً ولاصعدت في ملكها الضخم عرشاً مثل وادينا

عربوں کو تمناؤں اور ان کی قومی جذبات کو اس دور کی شاعری کا حصہ بنایا۔ عبد الرحمٰن الداخل کے بارے میں اس کا قصیدہ ''صقر قریش'' اس کی واضح مثال ہے۔ عرب ممالک اور سرکردہ اسلامی شخصیات پر ''دول العرب وعظماء الإسلام'' کے نام سے ایک شعری مجموعہ ترتیب دیا۔ اس میں نہ صرف عربوں کے روشن عہد کی تاریخ منظوم کی بلکہ ان کے جذبات کی بھرپور عکاسی کی، اور ان کے ماضی وحال کا موازنہ کرتے ہوئے آہ وزاری کی ہے اور کہا:

كأن شعري الغناء في فرح الشر ق،وكأن العزاء في أحزانه (۱)

اسی طرح فرانسیسیوں کے خلاف شامی انقلاب کے بارے میں قابل فخر اشعار نظم کیے، اور اہل دمشق کو خطاب کرتے ہوئے کہا، جس کا مطلع یہ ہے:

قم ناج جلق وانشد رسم من بانوا مشت على الرسم أحداث وأزمان

اس قصیدہ کے مزید اشعار ملاحظہ ہوں:

نصيحة ملؤها الإخلاص صادقة والنصح خالصه دين وإيمان
والشعر مالم يكن ذكرىٰ وعاطفة أو حكمة فهو تقطيع أوزان
ونحن في الشرق والفصحى بنورحم ونحن في الجرح والآلام إخوان
آمنت بالله واستنيت جنته دمشق روح،وجنات وريحان
قال الرفاق وقد هبت خمائلها الأرض دارلها الفيحاء بستان(۲)

ان اشعار سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ شوقی کی شاعری قصر شاہی کے حدود وچنگل سے نکل کر قومی وطنی، اور سماجی مسائل کی ترجمان بن گئی ہے جو قوم کے جذبات واحساسات کو برانگیختہ کرتی ہے، ان کے علاوہ اسلامی موضوعات مدح رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر

(۱) الادب العربی المعاصر فی مصر، ص:۱۰۳۔ (۲) الشوقیات ۲/ ۹۹ نیز دیکھئے: المعاصرون ص:۶۸، ۸۷۔

مشتمل نعتیہ قصائد لکھے۔جسمیں یہ پیغام دیا کہ مسلمانوں کو اگر عظمت رفتہ بحال کرنی ہو،اور دوسری قوموں کی آنکھوں میں آنکھ ڈال کر گفتگو کرنی ہو تو انھیں جہاد کا علمبردار بننا چاہئے۔ایک نعتیہ قصیدہ کے چند اشعار ملاحظہ ہوں:

علمتهم كل شيئى يجهلون به حتى القتال ومافيه من الذمم
دعوتهم لجهادٍ فيه سؤددهم والحرب أس نظام الكون والأمم
لولاه لم نر للدولات في زمن ما طال في عهدٍ أوقرمن دعم
تلك الشواهد تترى كل آونة فى الأ الغرِّ، لا في الأعصر الدهم
بالأمس مالت عروش واعتلت سرر لولا القذائف لم تثلم ولم تصم(۱)

مدح،مرثیہ،وصف،تاریخ اور سیاست جیسے اصناف سخن کے علاوہ شوقی نے غزل میں بھی طبع آزمائی کی ہے۔اور محبوب کی زلفوں اور گیسوئے دراز کو تغزل کا جامہ پہنایا ہے،محبوب کے لب ورخسار کو حسین اور اچھوتے پیرایہ میں بیان کیا ہے۔اور اس کے مرمریں بدن کو حریر ودیباج سے بھی زیادہ لطیف اور نازک قرار دیا ہے۔اور اس سیمیں تن کو الفاظ کے سانچے میں ایسا ڈھال دیا ہے ع جیسے لگا کہ تاج محل میرے ہی پاس تھا۔

مگر اس کی غزلیں فحش وابتذال سے مبرا ہیں،اور اس کے الفاظ پاکیزگی کے آئینہ دار ہیں۔

پیرس میں قیام کے دوران جب وہ علم قانون کی خوشہ چینی کررہا تھا،اسے ایک فرانسیسی لڑکی سے محبت ہوگئی عشق کا اسیر ہوگیا،اور اس نازک اندام کی حسین اداؤں کو غزل کا رنگ دیا اور عشق کے اول وآخر مراتب کو ذکر کرتے ہوئے محبوب کی پرکیف یادوں کو ان الفاظ میں صفحہ قرطاس کی زینت بخشا ہے:

خدعوها بقولهم حسناء والفواني يغرهن الثناء
أتراها تناست اسمي لما كثرت فر غرامها الأسماء
إن رأتني تميل عنى كأن لم تك بيني وبينها أشياء
نظرة فابتسامة فسلام فكلام فموعد فلقاء (۲)

حافظ ابرہیم کی طرح شوقی نے بھی عربی زبان کی فصاحت وبلاغت ،اس کی لطافت ونزاکت،روانی اور سلاست تشبیہات واستعارات،کنایات واشارات،اور دیگر زبانوں پر اس فوقیت اور فضیلت کو اجاگر کرتے ہوئے کہا ہے ملاحظہ ہو اس کا یہ شعر:

إن الذي ملأ اللغات محسنا جعل الكمال وسره في الضاد(۳)

علم وحکمت کا منارہ،تہذیب ومعرفت کا گہوارہ،جس نے اپنے وجود سے جہالت وغباوت کی تیرگی کو فرو کر کے علم وآگہی کی قندیل جلائی ہے جو جامعۃ الأزہر کے نام سے موسوم ہے،اس کی عظمت ومکانت سے سرشار ہوکر شوقی کہتا ہے:

قم في فم الدنيا وحيّ الأ زهرا وانثر على سمع الذمان الجوهرا
لا تحذحذ وعصابة مفتونة يجدون كل قديم شئ منكرا
ولوا ستطاعوا فى المجامع أنكروا من مات من آبائهم أو عمرا
من كل ماضٍ في القديم وهدمه وإذا تقدم للبناية قصراً
وأتى الحضارة بالصناعة رثة والعلم نزراوالبيان مثرثرا (٤)

(۱) الشوقیات ۱/ ۱۹۰۔ (۲) الشوقیات ۱/ ۱۱۳۔ (۳) الشوقیات ۲/ ۱۱۱،المعاصروں ص ۷۲۔ (۴) الشوقیات ۱/ ۱۵۱۔

شوقی نے دانائی اور حکمت کی باتوں کو ایسے بلیغ انداز میں پیش کیا ہے کہ بہت سے اشعار ضرب المثل ہو گئے، اسی معاملہ میں اس کی شاعری عباسی دور کے مشہور شاعر ابوالطیب متنبّی کی شاعری سے ہمسری کرتی نظر آتی ہے اس فن میں اسے جو شہرت حاصل تھی وہ کسی دوسرے کے حصہ میں نہ آئی۔ دانائی اور علو ہمتی اس کی فطرت میں تھی اس لیے اس کا اثر اس کی پوری شاعری میں نمایاں ہے۔ امثال وحکمت کے متعلق شوقی کے اشعار میں ایسے انمول جوہر پائے جاتے ہیں جن کو صرف سابقین شعراء میں سے اسے چند شعراء نے بیان کیا ہے جو اس میدان کے منجھے ہوئے اور کہنہ مشق شاعر ہیں۔

حکمت سے پر شوقی کے وہ اشعار جو ضرب المثل بن گئے:

ما الجاه والمال في الدنيا وإن حسنا إلا عواري حظ ثم ترتجع
وكل بنيان قوم لايقوم على دعائم العصرمن ركنيه منصدع
وللحرية الحمراء باب بكل يد مضرجةٍ يدق
إن ملكت النفوس فابغ رضاها فلها ثورة وفيها مضاء

شوقی کی تبحر علمی اوشعر گوئی کا اور ایک ہی حکمت کو مختلف شعری قصائد میں ڈھالنے میں اسے کتنی مہارت تھی، درج ذیل اشعار میں اسے ملاحظہ فرمائیے:

لك نصحي وما عليك جدالي آفة النصح أن يكون جدالاً(۱)

دوسر جگہ کہتا ہے:

عليك النصح إن صادقت أهلاً وليس عليك في النصح الجدال(۲)

اس معنی میں اس کا یہ شعر ملاحظہ ہو:

آفة النصح أن يكون لجاجاً وأذى النصح أن كيون جهاراً(۳)

طلبہ کو نصیحت کرتے ہوئے شوقی نے انھیں معلم کے ساتھ خوش اخلاقی سے پیش آنے پر ابھارا۔ اور یہ پیغام دیا کہ اس کی عزت وتکریم کرنی چاہئے اور اسے قدر ومنزلت کی نگاہ سے دیکھنا چاہئے کیوں کہ معلم کا رتبہ اگر پیمبر کے رتبہ کے برابر نہیں، تو بہت کم بھی نہیں۔ اس معنی کو بیان کرنے کے لیے شوقی نے علم ومعرفت کے بحر بیکراں میں جس طرح کی غواصی کی ہے وہ اس کی تبحر علمی اور فن شاعری میں قدرت کاملہ اور اعلیٰ ذوق وفکر کی ترجمان ہے:

قم للمعلم وفّه التبجيلا كاد المعلم أن يكون رسولا
أعلمت أشرف أوأجل من الذي بيني وينشئ أنفسا وعقولا (٤)

نئی نسل کو شعروشاعری اور اس کے ارتقاء سے روشناس کرانے کے لیے ستمبر ۱۹۳۲ء میں احمد زکی ابوشادی نے اپنی قیادت میں ''جماعت ابولو'' کی تاسیس کی تو اس کا صدر امیر الشعراء شوقی کو مقرر کیا۔ لیکن اسی سال اکتوبر میں داعی اجل کو لبیک کہنے کی وجہ سے خلیل مطران کو اس کا صدر بنایا گیا۔

اس جماعت کے قیام کا اصل مقصد شعروشاعری کی بلندی اور شعراء کی مادی زندگی پر توجہ دینا تھا۔ اس جماعت کے زیر انتظام شائع ہونے والا ادبی مجلّہ ''ابولو'' نے وسیع پیمانہ پر ادب کو فروغ دیا۔ اور مغربی ادباء کے ادبی رجحانات کو نوجوانوں کے سامنے پیش کیا تا کہ ان کے اور مغربی ادب کے درمیان حجاب حائل نہ ہو اور ہمارے نوجوان ان کے شعر وادب سے مستفید ہوں۔☆

(۱) الشوقیات ۲/ ۱۳۳۔ (۲) الشوقیات ۲/ ۱۲۸۔ (۳) المعاصرون ص ۷۹۔ (۴) الشوقیات ۱/ ۱۸۰۔

استاذ محترم ڈاکٹر جاوید اعظم صاحب جوار رحمت میں

حمید حسن فضل حق مبارکپوری
فضیلت ثانی / جامعہ سلفیہ بنارس

جمعہ کے مبارک دن نماز فجر کے بعد یہ خبر ہم طلبہ کو ملی کہ دکتور جاوید اعظم صاحب کا انتقال ہوگیا، مادر علمی جامعہ سلفیہ کے تمام طلبہ خبر کو افواہ سمجھ رہے تھے مگر اساتذہ کرام کی تصدیق پر یقین آیا کہ واقعی عند الناس محبوب شخصیت ۲۰۱۱ء کے آخری مہینہ، ہفتہ کے آخری دن، جمعہ کی صبح تڑکے اپنے منصب صدارت کو ایک سال پورا کرتے کرتے ۲۳ر دسمبر کو اپنی عمر بھی پوری کر چکی ہے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ سقی اللہ ثراہ وجعل الجنۃ مثوٰہ

ڈاکٹر صاحب ہر روز جامعہ آتے، جدا ہو جاتے اور پھر کل آجاتے لیکن کسے معلوم تھا کہ اب کل کے بعد کبھی دیدار نصیب نہ ہوگا، آپ کی وفات سے ہمیں انتہائی صدمہ ہوا۔

استاذ محترم جن اخلاق وعادات سے آراستہ وپیراستہ تھے ہر وہ شخص جس نے آپ سے ملاقات کی وہ بخوبی واقف ہے، آپ علم وفضل کے ساتھ، اخلاص وللّٰہیت، حسن سیرت وکردار سے متصف تھے، اللہ رب العالمین کے عطا کردہ انعامات کو صحیح طور پر استعمال کرتے تھے، آپ نہایت ہی معتدل اور پختہ سیرت تھے، اپنے مسلک میں پختگی کے باوجود دوسرے مسلک کے لوگوں کو برا نہ کہتے بلکہ ان کے ذی علم اصحاب کا پورا پورا لحاظ رکھتے تھے، نرمی ولطافت سے صحیح اور سچی بات کہہ دیتے، ہر طالب علم جو بھی آپ سے ملاقات کا مشتاق ہوتا تھا یا کوئی بات پیش کرنا چاہتا تھا وہ بآسانی آپ سے ملاقات کر کے اپنی بات پیش کر سکتا تھا اور جس قدر بھی اس میں فائدہ ہوتا اسے اخذ کر لیتے، علمی ماحول بنا کر ہر ممکن کوشش کرتے تھے۔

اساتذہ کرام، اور طلبہ سے بہت محبت رکھتے تھے، عام طور پر ان کا یہ معمول تھا کہ ظہر کی نماز جامعہ میں ادا کرتے اور نماز کے بعد مسجد کے دائیں جانب گیٹ کے باہر کھڑے ہو کر اساتذۂ کرام سے ملاقات کرتے اور اخیر میں مولانا عبدالوہاب صاحب حجازی حفظہ اللہ سے ملاقات کرنے کے بعد ہی گھر لوٹتے ع

مدتوں رویا کریں گے جام وپیمانہ تجھے

بسا اوقات مزاحیہ انداز میں گفتگو کیا کرتے، جامعہ سراج العلوم السلفیہ جھنڈانگر نیپال سے جب واپس آئے تو ہونٹوں پہ ہلکی سی مسکراہٹ لا کر پوچھا، جامعہ سراج العلوم میں مولانا فضل حق مدنی مبارکپوری ہیں انھیں پہچانتے ہو؟ حالانکہ آپ بخوبی واقف تھے کہ وہ میرے والد محترم ہیں۔

موصوف جامعہ سلفیہ کے لیے جس قدر مخلص تھے اور اس سے قلبی لگاؤ وہ صاف ظاہر تھا کہ آپ نے ایک گھنٹی بھی پڑھانی شروع کر دی تھی، فضیلت اول میں مؤطا امام مالک اور تاریخ اندلس آپ کے حصہ میں آئی، جامعہ کے طلبہ کے لیے یہ خوش نصیبی کی بات تھی کہ ایک متخصص اور دمام کالج کے ریٹائرڈ اسسٹنٹ پروفیسر سے درس حدیث کا موقع ملا تھا، ہائے افسوس کہ یہ خوش نصیبی چند ایام ہی تھی، استاذ محترم کا طریقۂ تدریس کچھ الگ انداز کا تھا عربی اردو دونوں زبانوں کو درس میں شامل رکھتے، ایک باب کی احادیث کی ایک

ساتھ عبارت خوانی کراتے اور پھر اسکی اسناد پر اختصار سے بحث کرتے، موطأ میں جو بلاغات مالک ہیں ان پر تفصیلی گفتگو کرتے، ترجمہ اور مسائل کے استنباط کا خاص خیال کرتے، اخیر میں احادیث کی تخریج اس طرح کرتے کہ کتابوں کے اسماء بتانے پر اکتفاء کرتے، ذیل میں موصوف کا پڑھایا ہوا سبق جسے ہم طلبہ نے اپنی اپنی کاپیوں میں قلمبند کیا شہادت کے طور پر درج کر دینا زیادہ لائق ومناسب ہے۔

كتاب الحج، باب: العمرة فى أشهرالحج

حدثنى يحي عن مالك أنه بلغه أن رسول الله صلى الله عليه وسلم اعتمر ثلاثا عام الحديبية وعام القضية وعام الجعرانه۔

اشہر حج میں عمرہ کرنا جائز ہے، کسی طرح کی کوئی ممانعت نہیں، اسی بات کو بتانے کے لئے امام مالکؒ نے ''العمرة فى أشهر الحج'' باب قائم کیا ہے، یہ حدیث بلاغات مالک میں سے ہے جبکہ یہ حدیث مسند بزار میں جابر رضی اللہ عنہ سے موصولا مروی ہے لھذا یہ حدیث لائق حجت ہے۔

باب کی احادیث میں دو اشکال ہیں، اشکال مع جواب ذیل میں درج ہیں:

(۱) صحیحین میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے چار عمرہ کیا، "عن أنس رضى الله عنه انه صلى الله عليه وسلم اعتمر أربعا" جبکہ حدیث باب میں تین عمرہ کا ذکر ہے۔

تطبیق: موطأ میں صرف عمرہ کا ذکر ہے اور چوتھا عمرہ جو حجۃ الوداع کے ساتھ تھا اسے نہیں ذکر کیا جبکہ صحیحین میں حج کے ساتھ کا عمرہ اور دیگر عمرے کا ذکر ایک ساتھ کیا ہے۔

(۲) دوسرا اشکال جو باب کی دوسری حدیث میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک عمرہ شوال میں اور دو عمرہ ذی القعدہ میں کیا جبکہ صحیحین میں ہے کہ کل عمرہ ذی القعدہ میں کیا۔

تطبیق: آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے شوال میں خروج کیا اور ذی القعدہ میں احرام باندھا پس کل عمرہ ذی القعدہ میں ہوا۔ جاہلیت کے لوگ ذی القعدہ میں سفر کرنے سے رک جاتے تھے پس آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مہینہ میں عمرہ کے لیے سفر کر کے جاہلیت کی رسم کی تردید کی۔

چار عمرہ: (۱) عام حدیبیہ ۶ھ، حدیبیہ ایک جگہ کا نام ہے جو حل اور حرم کے درمیان واقع ہے یہاں ایک کنواں تھا جس کا نام بئر شمس یا شمیسی تھا، آج مکہ والے حدیبیہ کو شمیسی کے نام سے جانتے ہیں، العمرة الأولىٰ من الأربع عام حديبية میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم واپس آ گئے تھے، صحابہ کرام نے اس کو عمرہ شمار کیا ہے۔

(۲) عام القضیۃ ۷ھ: وهى عمرة عمرة القضاء ولها اسم آخر عمرة القصاص.

أما تسمية عمرة القضاء فلأنها قضاء عن العمرة التي سدّ عن العمرة بالحديبية، وأما تسميتها القضية فلأنه صلى الله عليه وسلم قاضى قريشا فيها أى الحديبية۔ وعمرة القصاص لأنهم (المشركين) صدّوا رسول الله صلى الله عليه وسلم فى ذى القعدة فى أشهر الحرام من سنة ست واقتص رسول الله ﷺ منهم.

(۳) عام الجعرانة ۸ ھ موضع قريب من مكة بينها (مكة) وبين الطائف تسعة أميال حيث قسم

غنائم حنین۔

(۴)حجة الوداع: ۱۰ ھ ۔

موصوف چونکہ جامعہ کے صدر کے ساتھ ساتھ مدرس بھی تھے اس لیے ایک مدرس کے اوپر تمام عائد پابندوں کا پاس ولحاظ رکھتے، گھنٹی بجنے سے قبل کلاس سے نہ نکلتے بلکہ کہتے تھے کہ مقررہ وقت سے پہلے نکل جانا ظلم ہوگا۔

موصوف کلاس میں کبھی وقت ضائع نہ کرتے، درس مکمل ہونے کے بعد اگر کچھ وقت باقی رہ جاتا تو امام مالک رحمہ اللہ کی سوانح عمری کے کسی گوشے پر روشنی ڈالتے امام مالکؒ کے متعلق جس قدر معلومات ان کے پاس تھی ایسا محسوس ہوتا کہ امام صاحب کی پوری زندگی کا عینی مشاہدہ آپ کو حاصل رہا ہو۔

استاذ محترم کو چونکہ شوگر کے ساتھ ساتھ دوسری بیماریاں بھی تھیں اور آپ خود اپنے کو مجموعۂ امراض کہتے تھے اس لیے پچھلے سال جبکہ آنکھ کا آپریشن کے لیے مدراس جارہے تھے تو اپنی گھنٹی فضیلت الشیخ محمد عبدالقیوم المدنی حفظہ اللہ راطال اللہ حیاتہ کو سونپ دی محض اس وجہ سے کہ اسباق کا ناغہ نہ ہو اور نہ ہی گھنٹی خالی جائے چنانچہ شیخ نے کتاب الفرائض مکمل پڑھایا جبکہ ابتداء سالِ تعلیم میں بھی کتاب الزکاۃ مکمل اور کتاب الحج کا ابتدائی حصہ پڑھایا جن سے ہم طلبہ نے پورا پورا استفادہ کیا۔

موصوف جامعہ سلفیہ سے ابتداء ہی سے قلبی لگاؤ رکھتے تھے، والد محترم بتاتے ہیں کہ ایک بار جبکہ ہم لوگ حرم مکی میں ڈاکٹر صاحب کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک جواد شخص آئے اور مستحق طلباء سمجھ کر کچھ ریال دینا چاہا چنانچہ ہم لوگوں نے انکار کردیا تو اس موقع پر ڈاکٹر صاحب نے اشارہ کیا کہ پیسے جامعہ کے لیے بھیج دیا جائے گا چنانچہ پیسے لیکر ڈاکٹر صاحب کے ذریعہ جامعہ بھیج دیا گیا۔

جامعہ سلفیہ کے طلباء جب بیرون جامعہ مسابقات میں پوزیشن لاتے تو ان کو خود ڈاکٹر صاحب بھی انعام دیتے، چند دنوں پہلے بنگلور میں ہونے والا تحریری مسابقہ میں جامعہ کے طلبہ نے شرکت کی اور اس میں پہلی پوزیشن راقم الحروف اور تیسری پوزیشن حسان ابوالمکرّم کی تھی، اس کے علاوہ دو طالب علم عشرۂ اوائل میں سے تھے، جب اس کی خبر ڈاکٹر صاحب کو ہوئی تو آفس میں بلاکر مبارکبادی دی، اور بنگلور سے انعام منگوایا اور اپنے ہاتھوں سے اساتذہ کرام کی موجودگی میں انعامات دیئے، اور آپ کی جانب سے دیئے جانے والے انعام کا وقت ابھی نہیں آیا تھا کہ آپ دنیا سے چل بسے۔

انسان کی یہ فطرت ہوتی ہے کہ ذرا سی ترقی حاصل ہونے پر کبر وغرور جیسی مذموم صفت اپنے اندر پیدا کرلیتا ہے مگر ڈاکٹر صاحب کے اندر کبر نام کی کوئی چیز نہیں پائی جاتی تھی، سیدھے سادھے شریف النفس انسان تھے، عمدہ کھانے پینے کے خود شوقین تھے اور طلباء کا بڑا خیال کرتے تھے، گاہے بگاہے خاص قسم کا کھانا بنواتے تھے، اللہ تعالیٰ کا یہ برگزیدہ بندہ اپنے رب کی دعوت کو لبیک کہہ گیا ع

ایسا کہاں سے لاؤں تجھ سا جسے کہوں میں

۲۳؍دسمبر بروز جمعہ بعد نماز مغرب مدنپورہ روڈ پر ناظم اعلیٰ مولانا عبداللہ سعود صاحب سلفی حفظہ اللہ نے ایک جم غفیر کو نماز جنازہ پڑھائی جس میں مئو، اعظم گڈھ، دہلی نیز قرب وجوار کے علماء کرام وعوام الناس شریک تھے، سبھوں نے پرنم آنکھوں سے ڈاکٹر صاحب کو سپرد خاک کیا۔

الٰہی مرحوم کو اس دنیا کی حسنات کے بدلے آخرت کی نعمتیں عطا فرما، الٰہی مرحوم کے پسماندگان کو صبر جمیل کی توفیق دے اور جامعہ کو آپ کا نعم البدل عطا فرما، آمین ثم آمین۔ اللهم اغفر له وارحمه وعافه واعف عنه. ☆☆☆

اخبار جامعہ

ڈاکٹر عبدالرحمٰن فریوائی صاحب کی تشریف آوری: ڈاکٹر عبدالرحمٰن فریوائی استاد حدیث جامعۃ الملک سعود الاسلامیۃ، ریاض اپنے رفقاء مولانا ازہر صاحب ومولانا عبدالرحمٰن صاحب رحمانی وغیرہ کے ساتھ بذریعہ کار جامعہ سلفیہ تشریف لائے، اپنے مختصر قیام کے دوران آپ نے اپنے دیرینہ رفیق جامعہ سلفیہ کے سابق صدر ڈاکٹر جاوید اعظم رحمہ اللہ کے گھر جاکران کے صاحبزادے شیخ عبدالمحسن سے ملاقات کی اور ڈاکٹر صاحب کی وفات پر اپنی تعزیت پیش کی، اس دوران آپ نے جامعہ کے چند اساتذہ وطلبہ سے ملاقات کی۔

یوم جمہوریہ کے موقع پر ندوۃ الطلبہ کا خصوصی پروگرام: جامعہ سلفیہ میں بروز جمعرات بتاریخ ۲۶ رجنوری ۲۰۱۲ء کو طلبائے جامعہ نے ''یوم جمہوریہ'' کے موقع پر ایک خصوصی پروگرام کا انعقاد کیا، جس کی صدارت فضیلۃ الشیخ محمد ابوالقاسم صاحب فاروقی رحفظہ اللہ نے فرمائی۔

پروگرام کا آغاز عبدالمالک ابوطاہر کی تلاوت کلام پاک سے ہوا، اس کے بعد سعید الرحمٰن حفیظ اللہ نے نعت نبی پیش کیا، نعت نبی کے بعد ذبیح اللہ ان کے رفقانے بڑے ہی عمدہ اور مخصوص انداز میں ترانہ ہندی پڑھا، پھر یوم جمہوریہ سے متعلق مختلف عناوین پر دیگر طلبہ نے روشنی ڈالی۔

سب سے پہلے فہیم شریف محمد شریف نے ''ہندوستانی اقلیتیں اور ریزرویشن'' کے موضوع پر ایک علمی مقالہ پیش کیا جس مین موصوف نے ہندوستانی اقلیتوں کو شمار کرکے ان کے حقوق کی طرف توجہ دلائی۔

بعدہ ''جمہوریت اور شورائیت: ایک موازنہ'' کے موضوع پر حسان ابوالمکرّم اور محمد عمر محمد یوسف نے ایک مکالمہ پیش کیا جسمیں فریقین نے دلائل سے اپنی بات کو صحیح اور ثابت کرنے کی کوشش کی۔ پھر فرحان عبدالمجید نے ''نظام پارلیمنٹ: آئین ہند کی روشنی میں'' اس موضوع پر کافی مفید معلومات سامعین کے گوشہ گذار کیں۔

سلسلۂ تقاریر کے بعد ایک ڈرامہ ''الیکشن کی کہانی'' کے موضوع پر پیش کیا گیا جو کہ وقت کی مناسبت سے موزوں تھا۔ جسمیں الیکشن کی جھلکیاں اور مسلمانوں کے ووٹ کی اہمیت کو اجاگر کرنے کی کوشش کی گئی۔ اور اس کے بعد ابوطلحہ محمد ابراھیم نے اپنے مخصوص انداز میں خبرنامہ پیش کیا جس سے سامعین خوب لطف اندوز ہوئے۔

اخیر میں صدر محترم کا مختصر خطاب ہوا، اور اس کے بعد مجلس کے اختتام کا اعلان کیا گیا۔ (صفی الرحمٰن محمد اشفاق حسین/ ف۳)

طلبۂ جامعہ کی نمایاں کامیابی: شہر بنگلور میں واقع ''جامعۃ الامام السید نذیر حسین الدہلوی'' کے زیر اہتمام مقالہ نگاری کا کل ہند مقابلہ بعنوان ''منہج صحابہ سے انحراف اور امت پر اس کے اثرات'' منعقد ہوا، جس میں جامعہ کے مندرجہ ذیل طلبہ نے شرکت کی اور نمایاں کامیابی حاصل کی:

(۱) حمید حسن بن فضل حق	فرسٹ پوزیشن	(۲) حسّان بن ابوالمکرّم	تھرڈ پوزیشن
(۳) عبدالفتاح بن عبدالودود	عشرۂ اوائل	(۴) عرفان احمد بن نثار احمد	عشرۂ اوائل

ان تمام طلبہ کو نقد انعام وسرٹیفکٹ سے نوازا گیا، ادارہ محدث ان طلبہ کو مبارکباد پیش کرتا ہے اور ان کے تابناک مستقبل کے لیے دعا گو ہے۔ (ادارہ)

ہونہاران جامعہ کی مدینۃ الرسول روانگی: حسب سابق امسال بھی جامعہ کے چار طلبہ کا جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ میں داخلہ ہوا۔ داخلہ پانے والے طلبہ کے نام یہ ہیں: (۱) مستفیض الرحمٰن (۲) عبیداللہ الباقی (۳) حسن البناء (۴) تسلیم الدین۔

مذکورہ طلبہ بروز جمعہ قطر ایرویز سے مدینہ منورہ کے لیے روانہ ہوگئے، یہ طلبہ تعلیم سے اپنی دلچسپی اور حسن اخلاق کی وجہ سے اساتذہ کو بھی بہت عزیز تھے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ مدینۃ الرسول میں خالص توحید وسنت کی اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کے ساتھ مثالی داعی بنیں، آمین۔ ☆☆

عالم اسلام

ظل الرحمٰن سلفی رسنٹرل لائبریری جامعہ سلفیہ

قرآن کا قدیم ترین ترجمہ چینی زبان میں:

چین کے شمال مغربی گانسو علاقے میں مسلم محققین کو چینی زبان میں تحریر کردہ قرآن کریم کا ایک نسخہ دستیاب ہوا ہے، یہ ہاتھوں سے لکھا گیا قرآن ہے، بتایا جاتا ہے کہ اس کے لکھنے کا عمل ۱۹۱۲ء میں اختتام پذیر ہوا تھا۔ ''لین چھاؤ یونیورسٹی'' کے مسلم ثقافتی مرکز کے محققین کو قرآن کا یہ نسخہ قدیم تحریری باقیات کے ذخیروں سے برآمد ہوا ہے، ایک نیوز ایجنسی کے مطابق اس آرگنائزیشن کے چیف ڈنگ شیرین کا کہنا ہے کہ: ''خیال کیا جاتا ہے کہ قرآن کا چینی زبان میں ترجمہ زانگ اور مافولونام کے دو مسلم عالم نے کیا تھا، ڈینگ کے مطابق زانگ اور مافولو نے قرآن کا یہ ترجمہ ۱۹۰۹ء میں کرنا شروع کیا تھا اور ۱۹۱۲ء میں یہ کام انجام کو پہونچا، محققین کا کہنا ہے چینی زبان میں حاصل شدہ قرآن کا یہ نسخہ اب تک کا قدیم ترین نسخہ ہے۔ سنڈے انڈین (اردو) ۱۲/۱/۸)

مسجد حرام کی توسیع کے لیے ۲۰/ارب سعودی ریال صرف:

مسجد حرام کی توسیع کے لیے سعودی حکومت نے زمینداروں اور مالک مکانوں سے مزید زمین حاصل کرنے کے لیے اب تک ۲۰/ارب سعودی ریال خرچ کیے ہیں، حاصل شدہ زمین کو مسجد حرام کے اردگرد ایک رنگ روڈ بنانے کے لیے استعمال کیا جائے گا، اس کے علاوہ ایک پاور اسٹیشن بھی بنایا جائے گا، جو مسجد حرام کی توانائی کی ضروریات کو پورا کرے گا، یہ نیا پروجیکٹ شاہ عبداللہ کے مسجد حرام اور مسجد نبوی کے توسیعی پروگرام کی ایک کڑی ہے۔ (انقلاب ممبئی از بنارس ۱۱/۱۲/۲۲)

خلیجی ممالک اپنی سلامتی کے لیے متحد ہوں: شاہ عبداللہ

مشرق وسطی میں موجود انقلابی لہر کے پس منظر میں سعودی عرب کے شاہ عبداللہ نے اپنی سلطنت اور سبھی ہمسایہ ملکوں کو خبردار کیا ہے کہ وہ اپنی سلامتی اور تحفظ کی خاطر پوری طرح چاک وچوبند رہیں، اس استدلال کے ساتھ کہ سعودی عرب اور اس کے پڑوسی ملکوں کے تحفظ اور سلامتی کو عمداً نشانہ بنایا جارہا ہے، لہٰذا انہوں نے زور دے کر کہا ہے کہ ممکنہ خطرات سے نمٹنے کے لیے خلیجی ملکوں کو متحد ہونے کی ضرورت ہے۔

شاہ عبداللہ نے باوثوق لہجے میں کہا ہے کہ ہمیں تاریخ اور تجربے سے سبق حاصل کرتے ہوئے حقائق کا سامنا کرنے کی ضرورت ہے کیونکہ موجودہ صورت حال کو اسی طرح برقرار رہنے کی اجازت نہیں دی جاسکتی بلکہ اس کے تدارک کے لیے ہمیں انتہائی منظم اور مربوط طریقے سے درپیش مسائل کا سامنا کرنا ہوگا۔ (راشٹریہ سہارا لکھنؤ ۱۱/۱۲/۲۱)

اللہ کے نام پر حلف دستور ہند کے منافی نہیں: سپریم کورٹ

آئینی عہدوں کے لیے اللہ کے نام پر حلف لینے کی مخالفت کرنے والوں کو سپریم کورٹ میں منہ کی کھانی پڑی، عدالت عظمی نے اس پٹیشن کو مسترد کردیا جس میں اللہ کے نام پر حلف لینے کی وجہ سے جھارکھنڈ کے گورنر سید احمد کو نااہل قرار دینے کی اپیل کی گئی تھی، اتنا ہی نہیں بلکہ عدالت نے عرضی گذار پر برہمی اور اس کی ذہنیت پر تنقید کرتے ہوئے اس پر پہلے پانچ لاکھ کا جرمانہ بھی عائد کردیا، جسے بعد میں کم کرکے ایک لاکھ کردیا گیا۔

یاد رہے کہ اس سے قبل اس پٹیشن کو جھارکھنڈ ہائی کورٹ میں خارج کیا جاچکا تھا، چنانچہ وہاں ناکامی کے بعد سپریم کورٹ میں رجوع کیا گیا، سپریم کورٹ کے مذکورہ فیصلے کی چوطرفہ ستائش ہورہی ہے۔ (انقلاب ممبئی از بنارس ۱۱/۱۲/۱۳) ☆☆☆

آبرود جمہوریت

از: فائق بندوی
سنٹرل لائبریری، جامعہ سلفیہ، بنارس

رنگ بہارلائی ہے، چھبیس جنوری رسم وفانبھائی ہے ،چھبیس جنوری
ہردل میں جگمگائی ہے، چھبیس جنوری تہوار بن کے آئی ہے ،چھبیس جنوری
وحدت کے گیت گائی ہے چھبیس جنوری
کیا لہلہاکے آئی ہے،چھبیس جنوری

دستور انڈیاکا ہوا تھا نفاذآج یہ دن ہے خاتمے کا ،فرنگی کا سامراج
پہناتھا آج ہند نے جمہوریت کا تاج گاندھیؔ ونہروؔاور یہ آزادؔ کا سماج
آزادروشنائی ہے،چھبیس جنوری
کیا لہلہا کے آئی ہے،چھبیس جنوری

آزادی، بھائی چارہ،مروّت ومساوات آئین کی ہمارے نمایاں ہیں یہ صفات
باقی نہیں رکھاہے،کوئی اُس میں چھوت چھات محکم ہیں سب اصول وضوابط ہمہ جہات
پھرسایہ بن کے چھائی ہے،چھبیس جنوری
کیا لہلہاکے آئی ہے،چھبیس جنوری

تعمیر ملک وقوم کی فصلیں اگائیں گے پسماندگی کواپنے گھروں سے بھگائیں گے
ہردشمنِ وطن کو جڑوں سے مٹائیں گے بھارت کوپھرسے سونے کی چڑیابنائیں گے
فائق نے بھی منائی ہے،چھبیس جنوری
کیا لہلہاکے آئی ہے ،چھبیس جنوری

☆☆☆

باب الفتاوی

سوال (۱) دوران خطبۂ جمعہ مسجد میں آنے والے حضرات تحیۃ المسجد کی دو رکعت پڑھیں یا بغیر پڑھے بیٹھ جائیں؟ واضح فرمائیں۔
(۲) دوران خطبۂ جمعہ لغو حرکت یا آپس میں بات چیت کے بارے میں شریعت کیا کہتی ہے؟ واضح کریں۔

الجواب بعون اللہ الوھاب:

(۱) نماز جمعہ کے لیے مسجد میں پہنچنے والے حضرات کے لیے شریعت کی طرف سے رہنمائی یہ ہے کہ وہ سب سے پہلے دو رکعت تحیۃ المسجد کی نماز ادا کریں۔ چنانچہ مشہور صحابی رسول حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ''دخل رجل یوم الجمعة والنبی صلی الله علیه وسلم یخطب فقال:صلیت؟ قال: لا، قال: فصل رکعتین'' (صحیح بخاری: ح۹۳۱، صحیح مسلم، ح ۸۷۵) یعنی ایک آدمی (صحابی) جمعہ کے دن مسجد میں داخل ہوا، اس وقت اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ ارشاد فرما رہے تھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: کیا تم نے نماز پڑھی ہے؟ انہوں نے کہا: نہیں، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اٹھو اور دو رکعت (تحیۃ المسجد) نماز پڑھو۔

ایک دوسری حدیث میں آتا ہے کہ حضرت سلیک غطفانی رضی اللہ عنہ مسجد میں آئے اور دو رکعت (تحیۃ المسجد) پڑھے بغیر ہی بیٹھ گیے اس وقت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ دے رہے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے پوچھا کیا تو نے (دو رکعتیں) پڑھ لی ہیں؟ تو انہوں نے جواب دیا: نہیں، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے سلیک! کھڑے ہو جایئے اور دو رکعتیں ادا کیجیے۔ (صحیح بخاری، کتاب الجمعۃ، باب من جآء والامام یخطب صلی رکعتین خفیفتین، ح ۹۳۱) الفاظ حدیث ملاحظہ فرمائیں "جاء سلیك الغطفانی یوم الجمعة ورسول الله صلی الله علی وسلم یخطب، فجلس، فقال: یا سلیك! قم، فاركع ركعتین''۔

اور مسلم شریف کی ایک روایت میں ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اذا جاء أحدكم یوم الجمعة والإمام یخطب فلیركع ركعتین ولیتجوز فیهما'' (صحیح مسلم، کتاب الجمعۃ، باب التحیۃ والإمام یخطب ح ۸۷۵) یعنی جب تم میں سے کوئی شخص جمعہ کے روز (مسجد میں) اس وقت آئے جب امام خطبہ دے رہا ہو تو اسے ہلکی سی دو رکعتیں پڑھ لینی چاہیے۔

صحیحین کی ان روایات کے علاوہ اور بھی اس معنی و مفہوم کی متعدد روایات موجود ہیں جن میں دوران خطبہ مسجد میں آنے والے حضرات کو یہ رہنمائی کی گئی ہے کہ وہ دو رکعت ہلکی پھلکی تحیۃ المسجد ادا کیے بغیر نہ بیٹھیں، کیونکہ یہ سنت ہے۔ اور اکثر اہل علم کی یہی رائے ہے، جیسا کہ امام بغویؒ فرماتے ہیں: ''وفیه دلیل علی أن من دخل والإمام یخطب لایجلس حتی یصلّی ركعتین وهو قول اكثراهل العلم'' (شرح السنہ ۲۶۶/۴)

اس سلسلہ میں جو رہنمائی شریعت کی طرف سے کی گئی ہے وہ یہ کہ خطیب کے خطبہ کے دوران مکمل خاموشی اختیار کر کے سکون اور حضور قلب کے ساتھ خطبہ سنا جائے۔ حتی کہ کسی بولنے والے شخص کو خاموش رہنے کا حکم دینا بھی لغو قرار دیا گیا ہے، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''إذا قلت لصاحبك یوم الجمعة أنصت والإمام یخطب فقد لغوت''، یعنی جب تم نے جمعہ کے دن امام کے خطبہ کے دوران اپنے ساتھ بیٹھے ہوئے شخص سے یوں کہا کہ خاموش رہو، تو تم نے لغو حرکت کی۔ (صحیح بخاری، کتاب الجمعۃ، باب الإنصات یوم الجمعۃ .... ح ۹۳۴، وصحیح مسلم، ح: ۸۵۱)

دوران خطبۂ جمعہ آپس میں گفتگو کرنے سے جمعہ کا اجروثواب ضائع ہوجاتا ہے، حضرت اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ خطبۂ جمعہ کے لیے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر کھڑے ہوئے اور سورۃ الملک پڑھی، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں اللہ تعالیٰ کے بڑے ایام یاد کرائے، اسی دوران حضرت ابوذرؓ نے میری طرف آنکھ کا اشارہ کیا اور کہنے لگے: یہ سورہ کب نازل ہوئی؟ میں تو آج پہلی مرتبہ سن رہا ہوں۔ پھر میں نے انھیں اشارہ کرکے کہا کہ خاموش ہوجایئے، لوگ جب نماز پڑھ کر چلے گیے تو حضرت ابوذرؓ نے کہا کہ: میں نے آپ سے یہ پوچھا تھا کہ یہ سورہ کب نازل ہوئی ہے، لیکن آپ نے مجھے کچھ نہیں بتایا، حضرت اُبی بن کعبؓ نے کہا کہ: آج آپ کو آپ کی نماز سے کچھ نہیں ملا ہے سوائے اس لغوبات کے جو آپ نے کہا ہے۔ یہ سن کر حضرت ابوذرؓ سیدھے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس چلے گیے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت اُبی بن کعب کی بات سے آگاہ کیا، تو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''صدق أبی ''یعنی اُبی بن کعبؓ نے سچ کہا ہے۔ (سنن ابن ماجہ، ح:۱۱۱۱ صححہ الالبانی)

اور ایک حدیث جو کہ حضرت عبداللہ بن عمروؓ سے مروی ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''یحضر الجمعة ثلاثة نفر: رجل حضرها يلغو وهو حظه منها، ورجل حضرها يدعو، فهو رجل دعا الله عزوجل، إن شاء اعطاه وإن شاء منعه، ورجل حضرها بإنصات وسكون، ولم يتخط رقبة مسلم، ولم يؤذ أحدا، فهى كفارة إلى الجمعة التى تليها وزيادة ثلاثة أيام، وذلك ان الله عزوجل يقول: ''من جاء بالحسنة فله عشر امثالها'' (سنن ابى داؤد وصححه الالبانى) یعنی جمعہ کے لیے آنے والے لوگ تین طرح کے ہوتے ہیں، ایک وہ شخص ہے جو نماز جمعہ کے لیے آتا ہے اور اس دوران وہ لغوبات کرتا ہے تو اسے صرف وہی حاصل ہوتا ہے۔ دوسرا وہ آدمی ہے کہ جو جمعہ کے لیے حاضر ہوتا ہے اور اس کا مقصد صرف دعاء کرنا ہوتا ہے تو یہ ایسا شخص ہے جو اللہ تعالیٰ سے محض دعاء ہی کرتا ہے اور اگر اللہ تعالیٰ چاہے تو اس کی دعاء قبول کرلے اور چاہے تو اسے رد کردے۔ اور تیسرا وہ شخص ہے جو جمعہ کے لیے حاضر ہوکر پرسکون رہتا ہے اور خاموشی وتوجہ کیساتھ خطیب کا خطبہ سنتا ہے اور کسی مسلمان کی گردن کو نہیں پھلانگتا اور نہ ہی کسی کو اذیت پہنچاتا ہے تو اس شخص کا جمعہ آنے والے جمعہ تک بلکہ مزید تین دن (یعنی مکمل دس دن) اس کے لیے کفارہ بنتا ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمایان ہے: ''من جاء بالحسنة .....الخ ''یعنی جو شخص ایک نیکی لاتا ہے اس کے لیے اس جیسی دس نیکیوں کا اجر ہے۔

معلوم ہوا کہ دوران خطبہ بات کرنا، یا اشارہ کرنا یا کسی قسم کی لغوحرکت کرنا شرعی اعتبار سے ممنوع ہے، اور جو شخص ایسا کرے گا اس کو جمعہ کا اجروثواب نہیں ملے گا۔

جمہور محدثین کے نزدیک دوران خطبہ خاموش رہنا واجب ہے اور ہر قسم کا کلام حرام ہے۔

(ان سب مسائل کی تفصیلی معلومات کے لیے: الأم للشافعی، المغنی لابن قدامہ، المحلی لابن حزم، فتح الباری، شرح مسلم للنووی، الموسوعہ الفقہیہ، فقہ الحدیث، ومختلف فقہی کتابوں کا مطالعہ فائدہ مند رہے گا)۔

ھذا ما عندی واللہ أعلم بالصواب

ابوعفان نورالہدی عین الحق سلفی مالدہی

استاذ جامعہ سلفیہ بنارس

☆☆☆